جلد نمبر ۱
شمارہ (۸)

فہرست مضامین

ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ

تذکرہ و تبصرہ	امین احسن اصلاحی	۲
تدبر قرآن		
تفسیر سورۂ بقرہ	امین احسن اصلاحی	۹
افادات فراہیؒ		
اسالیب قرآن	مجید خاور صاحب	۳۱
بحث و نظر		
خاندانی منصوبہ بندی اور مذہب	امین احسن اصلاحی	۳۸
اقتباسات و تراجم		
خدا کی بندگی کے تقاضے	محمود احمد صاحب	۴۳
تقریظ و تنقید		
• سنت قرآن کے آئینہ میں، • مغربی پاکستان اسمبلی کی ناپاک جسارت، • پیارے رسول کی پیاری دعائیں، (د م ۔)		۴۶

ماہنامہ میثاق لاہور

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ:-
مینیجر ماہنامہ میثاق رحمان پورہ اچھرہ لاہور ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

خدا کا شکر ہے کہ بعض دوستوں کی توجہ اور قدردانی سے تفسیر تدبر قرآن کی پہلی جلد کی طباعت کی کچھ شکل پیدا ہو رہی ہے۔ میں تو مایوس تھا کہ بھلا اس گرانی کے زمانے میں سات آٹھ سو صفحات کی ایک ضخیم کتاب چھاپنے یا چھپوانے کی ہمت کون کریگا لیکن ایک عزیز دوست آئے اور انہوں نے یہ خوشخبری سنائی کہ وہ ایک اور ساتھی کے تعاون سے کتاب کی طباعت و اشاعت کا منصوبہ بنا رہے ہیں اور خدا نے چاہا تو اس منصوبہ کے بروئے کار آنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ مزید اطمینان انہوں نے یہ دلایا کہ وہ کتاب کو اعلیٰ معیار کتابت و طباعت پر چھاپیں گے جس کو اہل ذوق پسند کریں گے۔ اگرچہ ابھی یہ بات عالم خیال میں ہے اس خیال کے عمل میں آنے میں کچھ وقت لگیگا لیکن اس سے مجھے بے اندازہ خوشی ہوئی ہے۔ میری دلی آرزو ہے کہ کاش یہ کتاب میری زندگی میں چھپ جائے اور میں مرنے سے پہلے اس کو دیکھ لوں۔ میں اس آرزو کو بہت بعید چیز سمجھتا تھا اور میرے وسائل و امکانات کے لحاظ سے یہ چیز بعید تھی بھی لیکن اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز بھی بعید نہیں ہے۔ اس نے بالکل ٹھیک وقت پر اس آرزو کی تکمیل کی شکل پیدا کر دی اور ایسی شکل پیدا کر دی جو مختلف پہلوؤں سے میرے لئے قابل اعتماد ہے۔

اب میں نے آگے کے کام کے ساتھ ساتھ کتاب کی نظر ثانی کا کام بھی شروع کر دیا ہے۔ اس کام میں کتاب کے قدر دانوں کا تھوڑا سا تعاون مطلوب ہے۔ امید ہے کہ جو اصحاب علم میثاق میں اس تفسیر کی قسطیں پڑھتے رہے ہیں وہ مندرجہ ذیل امور سے متعلق اپنی رایوں سے مجھے ضرور آگاہ

فرمائینگے تاکہ نظر ثانی اور کتابت و طباعت میں ان کا لحاظ رکھا جا سکے۔

پہلی چیز تو یہ ہے کہ اگر کسی صاحب نے کہیں کوئی غلطی یا کسی بحث میں کوئی خلا محسوس کیا ہو تو وہ از راہ علم دوستی اس سے مجھے ضرور مطلع فرمائیں۔ میں انشاءاللہ پوری سنجیدگی اور بے تعصبی کے ساتھ اس نوعیت کے تمام مشوروں پر غور کرونگا اور مفید مشوروں کو قبول کر کے ان کی روشنی میں مسودے میں اصلاح یا ترمیم یا اضافہ کر دونگا اور ایسے تمام اصحاب کا دیباچۂ کتاب میں سچے دل سے شکریہ ادا کرونگا۔ میری یہ گزارش ان حضرات سے خاص طور پر ہے جو اہل علم کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور جنہوں نے میثاق میں تفسیر کے صفحات غور سے پڑھے بھی ہیں۔ بعض اصحاب علم نے وقتاً فوقتاً جن چیزوں کی طرف توجہ دلائی ہے وہ میرے پیش نظر ہیں میں ان سے فائدہ اٹھاؤں گا۔ بلکہ بعض مشورے تو میں نے عملاً قبول بھی کر لئے ہیں۔ مثلاً پہلے آیات نا تمام درج کی جاتی تھیں۔ اب ہر آیت پوری درج کی جاتی ہے تاکہ اس کے تحت تحقیق الفاظ اور تاویل آیات کے سلسلے میں جو کچھ لکھا جاتا ہے آیت کے ساتھ اس کی مطابقت سمجھنے میں قاری کو کوئی زحمت نہ پیش آئے۔ اگرچہ اس تبدیلی کے سبب سے کتاب کے حجم میں کچھ اضافہ ہو جائیگا لیکن بعض لوگوں نے اس کی طرف توجہ بھی دلائی اور مجھے اس پہلو سے بھی یہ بات پسند آئی کہ یہ طریقہ ہمارے پچھلے مفسرین کے طریقہ کے موافق ہے۔

تفسیر کی کتاب میں مرکزی یا ذیلی عنوانات قائم کرنے کا مسئلہ بڑا مشکل ہوتا ہے۔ میں اس امر پر برابر غور کرتا رہا لیکن کوئی قابل اطمینان شکل سمجھ میں نہیں آئی۔ عنوانات اور فہرست مطالب کے بغیر اس زمانے میں کسی چھوٹی سے چھوٹی کتاب کی اشاعت بھی خلاف مذاق ہے چہ جائیکہ سات آٹھ سو صفحے کی ضخیم کتاب۔ چنانچہ میں نے ذیلی عنوانات قائم کرنے شروع کر دیئے ہیں جس کا نمونہ میثاق کی پچھلی اشاعت میں ملاحظہ سے گزرا ہوگا۔ یہی صورت پوری کتاب میں اختیار کی جائیگی اور پھر اسی کی مدد سے انڈکس تیار کر لیا جائیگا۔ اگر کسی صاحب کے ذہن میں اس سے بہتر کوئی تجویز ہو جو کتاب کے مطالب تک اس سے زیادہ سہل طریقے سے رہنمائی کر سکے تو اس سے آگاہ فرمائیں۔ ہم اس سلسلے کی ہر مفید تجویز کا خیر مقدم کرینگے۔

کتاب کی کتابت، طباعت، تصحیح، تقطیع اور کاغذ سے متعلق بھی اگر واقف کار حضرات کوئی مشورہ دیں گے تو ان شاءاللہ وہ ذرہ بھی ضائع نہیں جائیگا۔ اس گرانی کے زمانے میں کسی بہت اونچے اہتمام کی توقع تو نہیں کرنی چاہئیے یہی غنیمت ہے کہ کتاب کسی طرح چھپ جائے لیکن بہرحال کوشش یہی ہوگی کہ کتاب چھپنے کے بعد ظاہری اعتبار سے بھی باوقعت نظر آئے اس وجہ سے وہ تمام مشورے قابل قبول ہونگے جو سادگی و پرکاری کی

نوعیت کے ہوں گے - یعنی جن سے کتاب کے حسن میں تو اضافہ ہو لیکن چھاپنے والوں کی ہمت پر کوئی برا اثر نہ پڑے -

اب تک اس تفسیر سے متعلق اصحاب علم کی جو رائیں مجھے وقتاً فوقتاً معلوم ہوتی رہی ہیں میں نے ان صفحات میں ان کا کوئی ذکر نہیں کیا کہ اس میں خود ستائی کا ایک شائبہ تھا لیکن میں ان رایوں کی روشنی میں اس نتیجہ تک ضرور پہنچا ہوں کہ اس کے قدر دانوں کا حلقہ اگرچہ زیادہ وسیع نہیں ہے لیکن جو ہے وہ بہت گہرے طور پر اس طرز فکر سے متاثر ہوا ہے جو اس کتاب میں اختیار کیا گیا ہے - ان متاثر ہونے والوں میں زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو پہلے سے قرآن سے دلچسپی رکھتے رہے ہیں یا اس کی مشکلات کا ان کو کچھ تجربہ تھا - کچھ عرصہ ہوا ایک عالی مرتبہ عالم دین نے مجھے لکھا کہ اگر میثاق کے قارئین تم سے یہ مطالبہ کریں کہ اس میں تفسیر کے سوا کچھ نہ ہو تو میں اس مطالبے میں اُن کو حق بجانب سمجھوں گا - اسی طرح ایک دن دو پروفیسر صاحبان میرے پاس آئے، ان کے ذہن میں قرآن کے بعض مقامات سے متعلق سوالات تھے انہوں نے مجھے بتایا کہ انہی سوالات کے لئے ہم فلاں صاحب (ایک مشہور عالم دین کا نام لیا جو قرآن کا درس بھی دیتے ہیں) کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے - انہوں نے ہمیں تم سے ملنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ قرآن کی مشکلات سے متعلق جو کچھ پوچھنا ہو اسی سے پوچھا کرو - مجھے اس بات پر بڑا تعجب ہوا اس لئے کہ انہوں نے جن لائق احترام عالم دین کا نام لیا تھا ان سے نہ صرف یہ کہ میری ملاقات نہیں ہے بلکہ اغلب ہے کہ میرے اور انکے نظریات میں اختلاف بھی ہو گا لیکن معلوم ہوا کہ وہ بڑی بے تعصبی سے نہ صرف میثاق میں تفسیر کے صفحات خود پڑھتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اس کے مطالعہ کی تاکید فرماتے ہیں - اصحاب علم میں سے دو صاحبوں نے اس کے انگریزی ترجمہ کی اور ایک صاحب نے اس کے عربی ترجمہ کی مجھے پیشکش کی بلکہ انگریزی ترجمہ تو ایک قدر دان نے غالباً شروع بھی کر دیا ہے - پاکستان اور بھارت میں متعدد اصحاب علم نے اسی نہج پر درس قرآن شروع کر رکھا ہے اور انہیں ہر ماہ میثاق کے تفسیری صفحات کا نہایت بے چینی کے ساتھ انتظار رہتا ہے - متعدد حضرات نے اس بات کی مجھ سے خواہش کی کہ اگر میں ان کو اجازت دے دوں تو وہ اپنی ملازمتیں چھوڑ کر درس قرآن کے لئے میرے پاس آجائیں گے لیکن میں نے ان کو اس خیال سے اجازت نہ دی کہ ملازمت کے سوا ان بیچاروں کا کوئی اور ذریعہ معاش نہ تھا - پچھلے دنوں ایک مخلص نے (جن سے میرا تعارف کچھ سرسری ہی سا ہے اور جنہوں نے شاید زندگی میں خط بھی مجھے صرف یہ ایک ہی لکھا ہے) مجھے لکھا کہ میں دعا کرتا

ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری باقی عمر تمہیں دیدے کہ تم تفسیر مکمل کر سکو - ایک دن اس ملک کی سیاسی اور صحافتی زندگی کے ایک مشہور رکن بالکل بے سان گمان تشریف لائے اور بڑی دیر تک میری ناچیز تصنیفات اور تفسیر سے متعلق دریافت حال فرماتے رہے - پھر فرمایا کہ جی چاہتا ہے کہ سب کام چھوڑ کر تمہارے حلقہ تدبر قرآن میں شامل ہو جاؤں - اسی طرح ایک صبح کو ایک صاحب تشریف لائے، میری صحت اور علمی سرگرمیوں سے متعلق انہوں نے کچھ سوالات کئے، پھر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ آپ تو مجھے کیا جانتے ہوں گے، میں بھی یہ پہلی ہی بار آپ سے ملا ہوں، میں ایک خاص مقصد سے آیا تھا اور الحمدللہ بڑا مطمئن ہو کر جا رہا ہوں - جب میں نے مقصد کی وضاحت چاہی تو بولے کہ یہ دیکھنے آیا تھا کہ تم عمر کے کس مرحلے میں ہو اور صحت کا کیا حال ہے اور جو تفسیر لکھ رہے ہو وہ مکمل کر سکو گے یا نہیں؟ الحمدللہ مجھے اطمینان ہو گیا کہ ابھی بہت کام کر سکو گے، تفسیر بڑے اطمینان سے مکمل ہو جائے گی -

میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے اپنی زندگی اور اپنے کسی کام کو کبھی کوئی اہمیت نہیں دی - جب موت کا سوال سامنے آتا ہے تو مجھے اس پہلو سے کبھی اس سے ڈر نہیں ہوا کہ میری ذات سے کوئی بڑا کام وابستہ ہے جو ناتمام رہ جائے گا - لاحول ولا قوۃ الا باللہ - میں کیا اور میرا علم کیا - میں علم اور عمل دونوں چیزوں سے ایک بالکل تہی دامن انسان ہوں البتہ گناہوں سے لدا ہوا ہوں اس وجہ سے موت سے ڈرتا ہوں اور ہر صبح کو اپنے رب غفار و ستار سے دعا کرتا ہوں کہ اے رب موت دینے سے پہلے کوئی کام مجھ سے ایسا لے لے جو تجھے پسند ہو - کبھی کبھی دبی زبان سے یہ بھی کہہ گزرتا ہوں کہ اس کے بغیر میں مرنے کے لئے تیار نہیں ہوں، یوں تو ہر حال میں تیری ہی مرضی بالا رہے گی - بس تفسیر کے کام کی اگر کوئی اہمیت ہے تو اسی پہلو سے ہے کہ شاید یہ حقیر خدمت مالک کی خوشنودی کا ذریعہ بن سکے - اور یہ حسن ظن بھی جو ذرا پیدا ہوا ہے تو محض اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ کچھ اچھوں کو اس کی طرف متوجہ پا رہا ہوں - گمان ہوتا ہے کہ شاید اس سے فہم قرآن کی راہ کھل رہی ہے - اگر فی الواقع اس سے فہم قرآن کی راہ کھل رہی ہے تو میں اس کو اپنی خوش بختی سمجھتا ہوں اور اس تفسیر کے قدر دانوں کی طرح میرے دل میں بھی یہ آرزو پیدا ہوتی ہے کہ رب کریم مجھے اتنی مہلت عطا فرمائے کہ میرے سینے میں استاذ مرحوم کی جو امانت محفوظ ہے اور کم و بیش ۳۵ سال کی اپنی جگر کاویوں سے میں نے اس پر جو اضافہ کیا ہے وہ سب آنے والی نسل کی طرف منتقل کر سکوں اس لئے کہ درحقیقت یہ چیز

انھی کی ہے۔ اسی احساس کے تحت کبھی کبھی غالب کا یہ شعر میری زبان پر جاری ہو جاتا ہے ؎

خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اے مرگ
رہنے دو مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے

(۲)

گزشتہ شمارے میں میثاق کے مستقبل سے متعلق ہم نے جو اندیشہ ظاہر کر دیا تھا اس کے قدردانوں کے حلقے میں اس سے بڑی تشویش پیدا ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں جو خطوط موصول ہوئے ہیں اس سے اندازہ ہوا کہ لوگ اس کے بند ہونے پر کسی طرح راضی نہیں ہیں۔ راضی تو سچ پوچھیے تو اس کے بند ہونے پر ہم بھی نہیں ہیں لیکن سوال اس خسارے کا ہے جو ماہ بماہ بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ خسارہ ہماری برداشت سے باہر ہے اور اس کی تلافی وقتی عطیات کے ذریعہ سے جس پر اس وقت سارا اعتماد ہے، ناقابل عمل بھی ہے اور شخصاً میرے ضمیر پر بہت گراں بھی۔ اب اگر اس کے خاص قدردانوں کا حلقہ اس کے جاری رکھنے پر مصر ہی ہے تو اس کی ممکن صورت یہی ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے حلقۂ احباب میں خاص سرگرمی کے ساتھ اس کی توسیع اشاعت کی کوشش کرے۔ توسیع اشاعت کے باب میں یہ امر ملحوظ رہے کہ آجکل عام طور پر یا تو لوگ تفریحی رسائل و مضامین پڑھتے ہیں یا ایسے اخبارات و رسائل سے دلچسپی لیتے ہیں جو ان کے مخصوص گروہی تعصبات و خیالات سے ہم آہنگ ہوں۔ ایسے لوگوں کے سامنے اس پرچے کو پیش کرنا بالکل غلط ہے۔ ایسے لوگ اگر شخصی تعلقات کے زیر اثر خریدار بن بھی جاتے ہیں تو یہ تعلق پائیدار ثابت نہیں ہوتا بلکہ بڑی جلدی وہ رسالے سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ مسئلہ کا صحیح حل صرف یہ ہے کہ ایسے خریدار پیدا کئے جائیں جو کچھ علمی ذوق رکھتے ہوں، قرآن کے علم کی جن کے اندر طلب ہو اور جو گروہی و سیاسی تعصبات سے بھی آزاد ہوں۔

اس میں شبہ نہیں کہ اس قسم کے خریداروں کی تلاش آسان کام نہیں ہے لیکن بہت مشکل بھی نہیں ہے۔ اگر میثاق کے خاص قدردانوں میں سے ہر شخص پانچ پانچ خریدار بھی مہیا کر دے تو یہ پرچہ جاری رہ سکتا ہے۔ چونکہ مختلف قدردانوں نے اُمید دلائی ہے کہ انھوں نے اس کے لئے کوشش شروع کر دی ہے اس وجہ سے ہم ان کی کوششوں کے نتائج کا انتظار کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے

کہ دوسرے احباب و مخلصین بھی اس چیز کی طرف توجہ فرمائیں گے۔ یہ بات میں پہلے ظاہر کر چکا ہوں کہ میری دلچسپی اس رسالہ سے محض علمی و مذہبی خدمت کی نوعیت کی ہے۔ میں نے اس سے کوئی مالی فائدہ نہ اب تک اُٹھایا ہے نہ آئندہ اُٹھانے کا ارادہ ہے۔ اگر جاری رہا تو ایک دینی خدمت سمجھ کر میں اس کے صفحات کے لئے غذا فراہم کرتا رہوں گا اور جہاں تک مقدور چلے گا اس کے نقصانات بھرنے میں بھی اپنا حصہ ادا کروں گا۔ اگر بند ہو گیا تو سمجھوں گا کہ مرضی مولیٰ یہی تھی۔ مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ اب میری تمام سرگرمیاں سمٹ سمٹا کر تفسیر اور حلقہ تدبر قرآن پر مرکوز ہو گئی ہیں۔ اگر کچھ نوجوان دین کے حامل پیدا ہو گئے اور تفسیر پوری نہ سہی آدھی ہی لکھی گئی تو سمجھوں گا کہ زندگی اپنی بھی ٹھکانے لگ گئی۔ سارے حوصلے کس کے پورے ہوتے ہیں جو ہم اپنے ہر حوصلے کے پورے ہونے کی توقع کریں۔

(۳)

حلقہ تدبر قرآن کا کام بفضل خدا پوری سرگرمی سے جاری ہے۔ مرکز حلقہ کے پڑوس کے ایک مکان میں ایک اسلامی ہاسٹل بھی قائم ہو گیا ہے۔ ہم اس چیز کے خواہشمند تھے لیکن اس کی مشکلات کے سبب سے اس کے قائم کرنے کی ہمت نہیں کر رہے تھے۔ جس چیز کی ہمت ہم نہ کر سکے اللہ تعالیٰ نے اس کی ہمت خود علم دین کے طالبوں کے اندر پیدا کر دی۔ اس ہاسٹل کے قیام سے اصل مقصود یہ ہے کہ اس کے مقیمین حلقۂ تدبر قرآن سے فائدہ اُٹھا سکیں چنانچہ یہ لوگ میرے درس قرآن میں بھی شریک ہو رہے ہیں اور عربی زبان بھی سیکھ رہے ہیں۔ اب حلقے کے شرکاء کی تعداد میں خاصا اضافہ ہو گیا ہے اور یہ اضافہ برابر جاری ہے۔ ساڑھے چار بجے سے مرکز حلقہ میں طلبہ کی آمد شروع ہو جاتی ہے اور مغرب و عشاء کے درمیان تک بڑی چہل پہل رہتی ہے۔ چونکہ اکثریت اعلیٰ تعلیم پائے ہوئے لوگوں پر مشتمل ہے اس وجہ سے اُمید یہی ہے کہ یہ سالوں کی منزل مہینوں میں طے کر لیں گے۔ دینی رجحان ان لوگوں کے اندر پہلے سے موجود ہے، اب تعلیم و تربیت سے اس کے مزید جلا پانے کی توقع ہے۔

ہمارے پہلے گروپ کے رفقا اپنے نئے ساتھیوں کی تعلیم و تربیت میں بھی حصہ لے رہے

ہیں اور اپنا کام بھی پورا کر رہے ہیں - ان کی جو کتابیں باقی ہیں کوشش ہے کہ اس سال کے اندر وہ پوری ہو جائیں - ہمارے ایک رفیق ـــــ خالد مسعود صاحب ـــ اب ریسرچ کے سلسلہ میں کچھ مدت کے لئے انگلستان جا رہے ہیں - ان کے جانے کے سبب سے یہاں میثاق کی ترتیب کے کاموں میں ایک بڑا خلل واقع ہو گا لیکن اُمید ہے کہ دوسرے رفقاء ان کی کمی پوری کرنے کی کوشش کریں گے - خالد مسعود صاحب نے ماشاء اللہ علم دین میں اتنی ترقی کر لی ہے کہ ان کا ذاتی مطالعہ ان کی رہنمائی کے لئے کافی ہے - اب ہماری رہنمائی کے وہ محتاج نہیں ہیں - ان کی سلیم طبیعت سے ہمیں یہ توقع بھی ہے کہ وہ جہاں بھی رہیں گے دین اور علم دین کی خدمت کرتے رہیں گے - اس گروپ کے دو ذی صلاحیت نوجوانوں کا معاملہ البتہ ہمارے لئے باعث قلق ہے کہ تبادلہ ہو جانے اور فرائض ملازمت کی نوعیت بدل جانے کی وجہ سے ان کی تعلیم میں رکاوٹ پیدا ہو گئی حالانکہ ان کی ترقی ہم سب کے لئے باعث فخر تھی - اللہ تعالیٰ ان کے حالات کو سازگار بنا دے -

ہمارے ایک مخلص محمد بشیر صاحب لائلپور نے حلقہ کی اعانت میں شرکت فرمائی ہے جس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں - اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے -

تدبر قرآن

امین احسن اصلاحی

(۴۰)

تفسیر سورۂ بقرہ

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝

جالوت، فلسطینیوں کا سپہ سالار تھا۔ تورات میں اس کا نام جاتی جولیت آیا ہے۔ یہ بڑا گرانڈیل، دیو ہیکل اور ماہر جنگ سپہ سالار مانا جاتا تھا۔ خاص طور پر بنی اسرائیل اس سے بہت مرعوب تھے۔

داؤد، یہ وہی حضرت داؤدؑ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت سے سرفراز فرمایا جن کی صلب سے حضرت سلیمان علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدا غریبانہ لیکن انتہا نہایت شاندار ہوئی۔ انہوں نے اپنے بارے میں خود فرمایا ہے کہ خداوند نے مجھے بھیڑ خانے سے نکالا اور اسرائیل کے تخت پر لا بٹھایا۔ یہ جالوت کی اس فوج میں شامل تھے جس کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ اس شمولیت کے متعلق تورات میں دو مختلف روایتیں ہیں۔ ایک سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ اس جنگ کے پیش آنے سے پہلے ہی طالوت کے سلاح بردار کی حیثیت سے ان کے لشکر میں داخل ہو چکے تھے اور وہ یہ

یہ سموئیل کے مسموح اور مستقبل کے بادشاہ بھی تھے۔ دوسری روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بالکل وقت کے وقت اپنی بکریاں چراگاہ میں چھوڑ کر اپنے بڑے بھائیوں کو جو جنگ میں شریک تھے، اپنے باپ کے حکم سے کچھ کھانے کی چیزیں دینے آئے۔ یہاں انہوں نے دیکھا کہ جالوت مقابلہ کے لئے چیلنج دے رہا ہے لیکن کوئی اس کے مقابلہ کے لئے آگے نہیں بڑھ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر ان کی غیرت کو جوش آیا۔ انہوں نے طالوت سے اس کے مقابلہ کی اجازت مانگی۔ یہ اس وقت ایک نوخیز، سرخ رو اور خوش قامت نوجوان تھے۔ طالوت کو ان کی کم عمری اور ناتجربہ کاری کی بناء پر اجازت دینے میں تردد ہوا۔ لیکن جب انہوں نے کہا کہ میں اپنی بکریوں پر حملہ کرنے والے شیروں اور ریچھوں کے جبڑے توڑ دیا کرتا ہوں، بھلا اس نامختون فلسطینی کی کیا حیثیت ہے کہ یہ زندہ خداوند کی فوجوں کو رسوا کرے تو طالوت نے ان کے اس عزم و ہمت کو دیکھ کر ان کو اجازت دے دی اور خود اپنا جنگی لباس پہنا کر اپنے مخصوص اسلحہ سے ان کو لیس کیا۔ اس وقت تک ان کا زمانہ بھیڑوں بکریوں کی چرواہی میں گزرا تھا، اس جنگی لباس اور ان جنگی اسلحہ کا ان کو کوئی تجربہ نہیں تھا۔ وہ ان کو پہن کر کچھ بندھا بندھا سا محسوس کرنے لگے۔ آخر طالوت کی اجازت سے اس قید سے رہائی حاصل کی اور چرواہوں کی طرح اپنی فلاخن اٹھائی، چادر کے ایک کونے میں کچھ پتھر رکھے اور وقت کے سب سے بڑے دیو کے مقابل میں جا کے ڈٹ گئے۔ پہلے تو اس نے ان کا مذاق اڑایا لیکن جب ان کی طرف سے اس کو ترکی بہ ترکی جواب ملا تو اس نے کہا کہ "اچھا آج تیرا گوشت چیلوں اور کوؤں کو کھلاتا ہوں"۔ اتنے میں حضرت داؤدؑ نے فلاخن میں پتھر رکھ کر جو اس کو مارا تو پتھر اس کے سر سے چپک کے رہ گیا اور وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ اتنے بڑے سپہ سالار کا ایک لڑکے چرواہے کی فلاخن سے اس طرح مارا جانا ظاہر ہے کہ ایک عظیم واقعہ تھا، چنانچہ فلسطینی فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور ادھر بنی اسرائیل کی عورتوں کی زبان پر یہ گیت جاری ہوگیا کہ

"ساؤل نے تو ہزاروں کو مارا پر داؤد نے لاکھوں کو مارا"۔

بس اسی واقعہ سے حضرت داؤد کی زندگی کا آغاز ہوا اور پھر وہ بنی اسرائیل کی تاریخ میں اس مقام پر پہنچے جو ان کے لئے مقدر تھا۔

فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ، میں اس حقیقت نفس الامری کا اظہار ہے کہ فتح ہو یا شکست

جو کچھ بھی پیش آتا ہے اس کا اصل تعلق قلت و کثرت اور وسائل و تدابیر سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہے۔ اس وجہ سے اصل اعتماد اللہ تعالیٰ پر ہونا چاہئے نہ کہ اسباب و وسائل پر۔ اس سے مقصود اسباب و وسائل کے اختیار کرنے کی نفی نہیں بلکہ تنہا انہی کو وسیلہ ظفر سمجھ لینے کی نفی ہے۔ حضرت داؤد جنہوں نے ایک دیو ہیکل سورما کو ایک پتھر سے ڈھیر کر دیا، اگرچہ اس زمانے تک نبی نہیں تھے، لیکن اس حقیقت سے آگاہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے جالوت کو مخاطب کر کے یہ کہا تھا کہ

"اور یہ ساری جماعت جان لے کہ خداوند تلوار اور بھالے کے ذریعہ سے نہیں بچاتا اس لئے کہ جنگ تو خداوند کی ہے اور وہی تم کو ہمارے ہاتھ میں کر دے گا" (سموئیل ۱۷:۴۷)

یہی بات قرآن مجید کی آیت "وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ" سے ثابت ہوتی ہے

"وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ" یہ ان انعامات کا بیان ہے جو اس واقعہ کے بعد حضرت داؤد پر ہوئے۔ اس کے بعد وہ طالوت کے داماد بھی ہو گئے اور پھر بنی اسرائیل کے بادشاہ بھی۔ علاوہ ازیں ان کو حکمت کا وہ خزانہ بھی عطا ہوا جس کا مظہر زبور ہے۔ درحقیقت یہی حکمت ہے جس کا جوڑ جب بادشاہی کے ساتھ ملتا ہے تو وہ بادشاہی زمین میں خدا کی خلافت کا درجہ حاصل کرتی ہے۔ یہ نہ ہو تو بادشاہی چنگیزی ہے۔ بادشاہی اور درویشی کا یہی امتزاج ہے جو اللہ کی نظروں میں پسندیدہ ہے اور حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سب درویش بادشاہ تھے اس لئے کہ ان کی بادشاہی کا تخت و تاج سونے چاندی سے نہیں بلکہ حکمت کے لعل و گہر سے آراستہ ہوا تھا۔

یہاں ایک چھوٹا سا سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ علم مما یشاء، زیادہ علم مما شاء نہیں فرمایا۔ میرا خیال ہے کہ یہ اسلوب اس لئے اختیار فرمایا کہ یہ بات حضرت داؤدؑ کے ساتھ خاص ہو کے نہ رہ جائے۔ بلکہ یہ ایک سنت اللہ کے بیان کا اسلوب اختیار کرے کہ اللہ نے اس کو وہ کچھ سکھایا اور بتایا جو وہ اپنے ایسے بندوں کے لئے چاہتا ہے کہ وہ ان کو بتائے اور سکھائے۔

"وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ الآیۃ" یہ جہاد کی ضرورت اور اس کا فلسفہ بیان ہوا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ جہاد کا حکم نہ دیتا اور اس کے صالح بندے زمین کو فتنہ و فساد سے پاک کرنے کے لئے تلوار نہ اٹھاتے تو اشرار و مفسدین دنیا کو شر و فساد سے بھر دیتے اور اللہ کی زمین نیکی اور تقویٰ کے تمام

سے خالی ہو جاتی۔ قرآن میں جہاد کی اس ضرورت و حکمت کی طرف مختلف اسلوبوں سے جگہ جگہ اشارے کئے گئے ہیں۔ مثلاً سورۂ حج میں فرمایا۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا (۴۰-حج) (اور اگر اللہ ایک کو دوسرے سے نہ دفع کرتا رہتا تو صومعے اور گرجے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا ذکر ہوتا ہے سب ڈھائے جا چکے ہوتے۔) اس حقیقت کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت اس وجہ سے تھی کہ مذہب کے راہبانہ اور جوگیانہ تصور کے اثر سے عام طور پر جنگ اور جہاد کو تقویٰ اور دینداری کے منافی تصور کیا گیا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر سے پہلے تک تو قریش مسلمانوں کی کمزوری کو ان کے خلاف ایک دلیل ٹھہراتے رہے اور جنگ بدر کے بعد ان کے جوش جہاد کو ان کے خلاف دلیل کے طور پر استعمال کرنے لگے۔ اس کی تفصیلات اپنے مقام میں آئیں گی۔ یہاں قرآن نے پہلے سے اس طرح کے تمام اعتراضات کا جواب دے دیا کہ انبیاء اور صالحین جو جہاد کرتے ہیں اس سے مقصود حق اور عدل کا قیام اور شر و فساد کا استیصال ہوتا ہے ورنہ خدا کی زمین نیکی اور بھلائی کے لئے بالکل بنجر ہو کے رہ جائے۔ اس وجہ سے صالحین کا جہاد اہل زمین کے لئے خدا کی ایک بہت بڑی عنایت ہے۔

(تِلْكَ آيَاتُ اللّٰهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ - ۲۵۲)

یہ آیت اور اس کے بعد والی آیت، یہ دونوں آیتیں سلسلۂ کلام کے بیچ میں بطور التفات وارد ہیں یعنی اصل سلسلۂ کلام کو روک کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرمایا اور ارشاد ہوا کہ بنی اسرائیل نے اپنی تاریخ کی ایک نہایت اہم سرگزشت کو بالکل بے مقصد اور بے معنی بنا کر رکھ دیا تھا۔ اب ہم نے اس کو بالکل ٹھیک ٹھیک اس کے نتائج و فوائد اور اس کے حکم و مصالح کے ساتھ تمہیں سنایا ہے تاکہ اس آئینہ میں تم اور تمہارے ساتھی اپنے مستقبل کے نقشۂ کار کو دیکھ سکو اور یہ اس بات کی نہایت روشن دلیل ہے کہ تم انبیاء و رسل کے مبارک سلسلہ کی کڑی ہو ورنہ جس چیز کے تمہارے پاس جاننے کا کوئی ذریعہ نہ تھا اس کو تم کس طرح جان سکتے اور وہ بھی ایسی صحت و صداقت کے ساتھ کہ اصل واقعہ تمام غیر منطقی اور غیر فطری ملاوٹوں سے بالکل پاک ہو کر لوگوں کے سامنے آ گیا۔ اگر اہل کتاب معاملہ کے صرف اسی ایک پہلو پر غور کرتے تو تمہاری رسالت کے ثبوت کے لئے یہی دلیل

کافی تھی لیکن ان کا اندھا بہرا تعصب اس امر میں مانع ہے کہ وہ اپنے نبی کے سوا کسی اور رسول کی رسالت اور اس کے لئے کوئی فضیلت تسلیم کر سکیں حالانکہ اللہ کے نبیوں اور رسولوں میں سے کسی کے لئے بھی مطلق برتری کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ اللہ نے اپنے تمام رسولوں کو کسی نہ کسی فضیلت سے مختص کیا ہے اور سب کے لئے مراتب و درجات ہیں لیکن اہل کتاب گروہی تعصبات میں مبتلا ہو کر اپنے سوا سب کی تکذیب اور سب کی مخالفت کے لئے کمربستہ ہیں۔ سو اس حالت پر صبر کرو اور ان کو ان کے حال پر چھوڑو۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں شر کو بھی مہلت دے رکھی ہے۔ بلاشبہ اگر وہ چاہتا تو یہ کچھ وہ نہ کر پاتے لیکن اس نے یہی چاہا ہے اور جو کچھ اس نے چاہا ہے اسی میں حکمت اور مصلحت ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ ۖ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ۚ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۗ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَلَٰكِنِ اخْتَلَفُوا فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوا وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ۔ (۲۵۳)

تِلْكَ کا اشارہ ان رسولوں کی طرف ہے جن کا حوالہ اوپر وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ کے الفاظ سے دیا گیا ہے۔

اس آیت میں اس صحیح رویے کی وضاحت ہے جو اللہ کے رسولوں کے بارے میں ان کی امتوں کو اختیار کرنا تھا۔ لیکن انہوں نے اس کو اختیار نہیں کیا بلکہ اس کی جگہ ایک بالکل غلط رویہ اختیار کر لیا جس کے سبب سے ان کے درمیان تعصبات کی دیواریں کھڑی ہو گئیں اور وہ ایک دوسرے کی دشمن اور مخالف ہو کر باہم جنگ و جدل میں مبتلا ہو گئیں۔ مقصود اس بیان سے یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ واضح کرنا ہے کہ آج تمہاری مخالفت میں بھی یہ اہل کتاب جو ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اس کی بڑی وجہ ان کی یہی غلط روش ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں میں سے ہر رسول کو کسی نہ کسی پہلو سے فضیلت بخشی ہے اور اس فضیلت کے اعتبار سے وہ دوسروں پر ممتاز ہے۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا ہے۔ یہ ان کی فضیلت کا ایک خاص پہلو ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو...

کھلے کھلے معجزات دیئے اور روح القدس کی خاص تائید سے ان کو نوازا، یہ ان کے خصوصیات میں سے ہے۔ علی ہذا القیاس دوسرے رسولوں کو درجات و مراتب عطا ہوئے ہیں جو ان کے لئے خاص ہیں۔ انبیاء و رُسل کے فضائل کے باب میں یہی نقطۂ نظر حقیقت کے مطابق ہے۔ لیکن ان انبیاء کی امتوں نے جو روش اختیار کی وہ یہ ہے کہ ان میں سے جس نے جس نبی و رسول کو مانا سارے فضائل و خصوصیات کا جامع تنہا اسی کو بنا کر رکھ دیا اور دوسرے کسی نبی و رسول کے لئے کسی فضیلت کا تسلیم کرنا ان کے نزدیک ایمان کے منافی قرار پاگیا۔ اس تعصب و تنگ نظری کا نتیجہ یہ ہوا کہ پچھلی امتوں میں سے ہر امت اپنے اپنے خول میں بند ہو کر رہ گئی اور ان کے لئے دوسرے نبیوں اور رسولوں کی برکات سے فائدہ اٹھانے کی راہ مسدود ہو گئی۔ اگر وہ صحیح روش اختیار کرتیں تو ہر رسول ان کا رسول اور ہر ہدایت ان کی ہدایت ہوتی اور وہ اس ہدایت میں سے بھی حصہ پاتیں جو اب قرآن مجید کی صورت میں آخری ہدایت کی حیثیت سے دنیا کے سامنے ظاہر ہوئی ہے۔ اسی حقیقت کی طرف سورہ بنی اسرائیل میں بھی اشارہ فرمایا ہے۔ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا ۵۵

(اور ہم نے انبیاء میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور عنایت کی)

ہدایت و ضلالت کے باب میں سنت الٰہی

آیت کے دوسرے حصے میں اللہ تعالیٰ نے اس سنت اللہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو ہدایت و ضلالت کے باب میں اس نے پسند فرمائی ہے اور جس کا قرآن میں جگہ جگہ مختلف اسلوبوں سے بیان ہوا ہے۔ وہ سنت اللہ یہ ہے کہ اس نے ہدایت و ضلالت کے معاملہ میں جبر کا طریقہ نہیں اختیار فرمایا ہے۔ اگر وہ ایسا کرتا تو اس میں شبہ نہیں کہ کسی کے لئے بھی ایمان کو چھوڑ کر کفر کی راہ اختیار کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہتی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ بندوں کو آزادی دی کہ وہ اپنی سوجھ بوجھ اور اپنے اختیار و ارادہ کی آزادی کے ساتھ چاہیں کفر کی راہ اختیار کریں، چاہیں ایمان کی راہ اختیار کریں۔ اگر وہ ایمان کی راہ اختیار کریں گے تو اس کا صلہ پائیں گے اور اگر کفر کی راہ اختیار کریں گے تو اس کا انجام دیکھیں گے۔ آخر میں فرمایا کہ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ۔ اللہ وہی کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ سو اس نے یہی چاہا کہ وہ اس معاملے میں بندوں پر جبر نہ کرے اور جب اس نے یہی چاہا تو اس سے یہ بات آپ سے آپ نکلتی ہے کہ اسی کے اندر حکمت و مصلحت ہے، کیونکہ خدا کا کوئی ارادہ حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہو سکتا۔

یہاں اس قانون کے بیان کرنے سے مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ لوگوں کی ہدایت و ضلالت کے معاملے میں آپ کی ذمہ داری صرف اس قدر ہے کہ آپ لوگوں تک حق واضح الفاظ میں پہنچا دیں۔ اس کو قبول کرنا یا رد کرنا ان کے اوپر چھوڑ دیجئے۔ یہ نہ تو آپ کی ذمہ داری ہے اور نہ آپ اس کے لئے پریشان ہوں۔

آیت میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ کے جو الفاظ آئے ہیں ان کی حقیقت اسی سورہ کی آیت ۸۷ کے تحت ہم واضح کر چکے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ سے جس کلام کا ذکر ہے اس سے مراد وہ براہ راست مخاطبہ الٰہی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو مشرف فرمایا۔ اس مخاطبت کا ذکر تورات میں بھی بار بار ہوا ہے اور قرآن نے بھی اس کی طرف جا بجا اشارے کئے ہیں۔

۸۲ - آگے کا مضمون آیات ۲۵۴ - ۲۵۷

اوپر سے مضمون جہاد اور انفاق کا چلا آ رہا تھا بیچ میں ضمناً دو آیتیں التفات کی بطور تنبیہ و تذکیر آگئیں جن کی نوعیت جملہ معترضہ کی ہے۔ اس کے بعد انفاق کا مضمون از سر نو آگیا۔ اس مضمون کی وضاحت کے لئے جو استدلال اختیار فرمایا ہے اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ خدا کے ہاں کام آنے والی اصل چیز تو خدا کی راہ میں جان اور مال کی قربانی ہے لیکن یہ منکرین یہ کرنے کے لئے تو تیار نہیں ہیں البتہ انہوں نے اپنے جی سے خدا کے شریک و شفیع بہت سے گھڑ لیے ہیں اور ان کی شفاعت و حمایت پر بھروسہ کئے بیٹھے ہیں حالانکہ یہ جھوٹے سہارے کچھ کام آنے والے نہیں ہیں۔ جو لوگ اس حماقت میں مبتلا ہیں وہ اپنے اوپر بہت بڑا ظلم ڈھا رہے ہیں۔

اس کے بعد نہایت مختصر لیکن نہایت جامع الفاظ میں توحید کی حقیقت واضح فرمائی اور شرک کی تردید کی تاکہ ایک بالکل غلط سہارے پر جو لوگ جی رہے ہیں وہ چوکنے ہوں اور خدا پرستی کی صحیح راہ اختیار کریں۔

اس کے بعد یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کے ذریعہ سے حق و باطل اور ہدایت و ضلالت کو اچھی طرح واضح کر دیا ہے۔ تبلیغ و تعلیم اور انذار و تبشیر کا جو حق تھا وہ ادا ہو چکا ہے۔ اب جس کا جی چاہے وہ غیر اللہ سے کٹ کر اللہ کی مضبوط رسی کو تھام لے اور جس کا

جی چاہے اپنے غلط سہاروں کے اعتماد پر اپنی عاقبت برباد کرے، اللہ کو ایسے لوگوں کی کوئی پروا نہیں ہے اللہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنی سمجھ بوجھ سے ایمان لائیں۔ اگر وہ سب کو نیکی کے راستے پر ہانک دینا چاہتا تو وہ ایسا کر سکتا تھا لیکن ہدایت و ضلالت کے معاملے میں اس نے اس جبر کو پسند نہیں فرمایا۔

اس کے بعد یہ واضح فرمایا کہ کون لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق دیتا ہے اور کون لوگ ہیں جو حق کی وضاحت کے بعد بھی گمراہی کی وادیوں ہی میں بھٹکتے رہ جاتے ہیں۔

اب اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمایئے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۝۲۵۵ لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۙ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝۲۵۶

○

اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تم کو بخشا ہے اس میں سے خرچ کرو اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی۔ نہ دوستی کام آئے گی اور نہ کسی کی سفارش نفع پہنچائے گی اور جو لوگ انکار کرنے والے ہیں۔ اپنے اوپر اصلی ظلم ڈھانے والے وہی ہیں۔ (۲۵۴)

اللہ ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ زندہ ہے، سب کا قائم رکھنے والا ہے نہ اس کو اونگھ لاحق ہوتی ہے نہ نیند، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کی ملکیت ہے۔ کون ہے جو اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کر سکے؛ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے، مگر جو وہ چاہے۔ اس کا اقتدار آسمانوں اور زمین سب پر حاوی ہے اور ان کی حفاظت اس پر ذرا بھی گراں نہیں اور وہ بلند اور عظیم ہے۔ ۲۵۵

دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے بالکل الگ ہو چکی ہے تو جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا۔ اس نے مضبوط رسی پکڑی جو ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ ۲۵۶

۸۳ ۔ الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

انفاق کی دلیل اور اس کی تسہیل

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ - ۲۵۴ - اوپر آیت ۲۴۵ میں انفاق کی جو دعوت گزری ہے، یہ اس کی مزید تفصیل ہے۔ مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ میں، جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں، انفاق کی دلیل بھی ہے اور اس کی تسہیل بھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جو تم سے انفاق کا مطالبہ کر رہا ہے تو یہ تم پر گراں نہ گزرے۔ وہ تم سے کوئی تمہاری چیز نہیں مانگ رہا ہے بلکہ اپنی ہی بخشی ہوئی چیز مانگ رہا ہے۔ پھر یہ نہیں ہے کہ جو کچھ اس نے بخشا ہے اس سارے کیلئے اس کا مطالبہ ہے بلکہ وہ اس میں سے صرف ایک حصہ کے انفاق کا مطالبہ کر رہا ہے۔

پھر فرمایا کہ اس دنیا کے مال و متاع کا کوئی ابدی و دائمی نفع ہے تو صرف اسی صورت میں ہے جب آج اس کو خدا کی راہ میں خرچ کر کے اس کو ایک لازوال خزانے کی صورت میں تبدیل کر لو اس لئے کہ آگے جو دن آنے والا ہے اس میں نفع پہنچانے والی چیز اگر کوئی ہے تو صرف وہ نیکی ہے جو اس دنیا میں کمائی گئی ہو۔ اس کے سوا اس عالم میں کوئی چیز کام آنے والی نہیں۔ اس دنیا میں خرید و فروخت سے بھی کام چل جاتے ہیں، دوستیاں بھی کام دے جاتی ہیں اور سفارشیں بھی بعض اوقات نفع پہنچا دیتی

ہیں لیکن اس دنیا میں ان چیزوں کی ساری راہیں بند ہوں گی۔ وہ صرف ایمان اور عمل صالح کے نتائج کے ظہور کی دنیا ہوگی۔

لفظ بیع کا مفہوم ہم نے یہاں خرید و فروخت دونوں لیا ہے اس کی وجہ جیسا کہ ہم کسی دوسری جگہ اشارہ کر چکے ہیں یہ ہے کہ جب صورت چیز سے چیز کے مبادلہ کی ہو تو بیچنا اور خریدنا دونوں اس کے مفہوم میں شامل ہو جاتا ہے۔

"الْكٰفِرُوْنَ" سے مراد ہمارے نزدیک یہاں وہ لوگ ہیں جو اس طرح کے کسی دن کے ظہور کے منکر ہیں جس سے یہاں ڈرایا گیا ہے۔ جو لوگ آخرت کے منکر ہوں ان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ کل کے ادھار کے لئے آج کے نقد کو قربان کر سکیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ اگرچہ یہ لوگ اپنی دانست میں اپنے آپ کو بہت حقیقت پسند سمجھتے ہیں اور ان کا گمان یہ ہے کہ وہ اپنے کو نفع پہنچا رہے ہیں لیکن درحقیقت یہ اپنی جانوں پر سب سے بڑے ظلم ڈھانے والے ہیں۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۲۵۵۔

قَيُّوْمٌ: مبالغہ کا وزن ہے۔ اس کے معنی ہیں وہ ذات جو خود اپنے بل پر قائم اور دوسروں کے قیام و بقا کا واسطہ اور ذریعہ ہو۔

سِنَةٌ، کے معنی اونگھ اور نوم کے معنی نیند کے ہیں۔ ان دونوں کی نفی سے نیند کی ابتدا اور انتہا دونوں کی نفی ہوگئی جس کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ غفلت کے تمام اثرات سے کامل درجہ پاک ہے۔

مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ، سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم لوگوں کے آگے اور پیچھے اور ان کے ماضی اور مستقبل سب پر حاوی ہے۔ برعکس اس کے دوسروں کی علمی پہنچ صرف اس حد تک ہے جس حد تک خدا نے چاہا کہ وہ اس کے علم میں سے حصہ پائیں۔ اس سے آگے کسی کی رسائی نہیں وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ۔

كُرْسِيٌّ، کے معنی عربی لغت میں کسی چیز کی تہ جمانے کے ہیں۔ اسی سے کرسی کا لفظ بنا جو بیٹھنے کی جگہ یا چیز مثلاً تخت وغیرہ کے لئے استعمال ہوا۔ بیٹھنے کی جگہ یا چیز جب کہ وہ کسی صاحب اقتدار کے لئے خاص ہو اس کے اقتدار کا مرکز ہوتی ہے۔ اس وجہ سے کرسی کا لفظ اقتدار کی تعبیر کے لئے بھی استعمال ہونے لگا۔ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کے معنی ہوئے کہ اس کا اقتدار آسمانوں اور زمین کے تمام اطراف و اکناف پر حاوی ہے۔ کوئی گوشہ اور کونا بھی اس کے دائرہ اقتدار سے الگ نہیں ہے۔

"اٰدَ يَئُوْدُ اَوْدًا" کے معنی ہیں کسی چیز کا ایسا بھاری اور گراں ہونا کہ اس کا سنبھالنا مشکل ہو جائے۔ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا کے معنی یہ ہوئے کہ آسمان و زمین کی دیکھ بھال ذرا بھی خدا پر گراں نہیں ہے کہ اس کو کسی سہارے یا مددگار کی احتیاج پیش آئے۔

[illegible]

اوپر والی آیت میں یہ فرمایا کہ "اس دن کے آنے سے پہلے پہلے خدا کی راہ میں خرچ کرو جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی، نہ دوستی کام آئے گی اور نہ کسی کی سفارش کچھ نفع پہنچائے گی" یہ اسی مضمون کی مزید تفصیل ہے گویا رد شفاعت اور رد شرک کے اس مضمون نے توحید خالص کی وضاحت کے لئے ایک تقریب پیدا کر دی اور اس طرح توحید کے بیان میں ایک ایسی آیت نازل ہوگئی جس کی خوبیوں اور بلاغتوں کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔

سب سے پہلے فرمایا کہ اللہ ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے بعد اس کے لئے ان صفات کا اثبات کیا جو اس کی الوہیت کا لازمی تقاضا ہیں اور جن کے نہ ماننے سے اس کی الوہیت کی نفی ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی ان باتوں سے اس کو بری قرار دیا جن کے ماننے سے بھی اس کی الوہیت کو بٹہ لگتا ہے۔ جن صفات کا اثبات کیا ہے ان میں سب سے پہلے اس کے حَيٌّ و قَيُّوْمٌ ہونے کا ذکر کیا ہے۔ حَيٌّ کے معنی زندہ کے ہیں اور قیوم کے معنی ہیں وہ ذات جو خود اپنے بل پر قائم اور دوسروں کو قائم رکھنے والی اور سب کو سنبھالنے والی ہو۔ ظاہر ہے کہ جو خود زندہ نہ ہو وہ تمام دنیا جہان کے لئے زندگی بخش کس طرح ہو سکتا ہے اور جو خود اپنی ذات سے قائم نہ ہو وہ آسمان و زمین کو قائم رکھنے والا کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور جو ذات ان صفات سے عاری ہو اس کو خدا ماننے کے کیا معنی؟ اور جب خدا ان صفات سے متصف ہے اور لازماً اس کو ان صفات سے متصف ہونا چاہیے تو پھر کسی کو اس کا شریک و سہیم ماننا ایک بالکل بے جوڑ سی بات ہے۔

اس طرح قرآن نے ان تمام معبودوں کی نفی کر دی جو نہ زندہ ہیں، نہ زندگی کا سرچشمہ اور نہ خود قائم

ہیں اور نہ دوسروں کے قائم رکھنے والے بلکہ خود اپنی زندگی اور اپنے قیام و بقا کے لئے حیّ و قیوم کے محتاج ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ نہ اس کو اونگھ لاحق ہوتی نہ نیند۔ یہ نیند کی ابتدا اور اس کی انتہا دونوں سے اس کو بری قرار دیا گیا ہے اور یہ اس کے حیّ و قیوم ہونے کا تقاضا ہے۔ نیند موت کے ظلال و آثار اور اس کے مظاہر و مبادیات میں سے ہے اس وجہ سے یہ خدا کی شان کے منافی ہے پھر یہ اس کے قیوم ہونے کے بھی منافی ہے، جو خود نیند سے مغلوب ہو کر اپنے کو قائم نہ رکھ سکے گا وہ دنیا کو کیا قائم رکھے گا اور جب وہ ہر لحظہ خود بیدار ہے اور اپنی دنیا کی نگرانی کر رہا ہے تو پھر یہ کیوں فرض کیا جائے کہ وہ اس دنیا کے انتظام و انصرام میں کسی اور کا بھی محتاج ہے!

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کی ملکیت اور اسی کے اختیار میں ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے قرآن کے مخاطبین میں سے نہ کسی کو انکار تھا اور نہ کسی کے لئے اس سے انکار کی گنجائش تھی، اس لئے کہ اس سے انکار کے معنی خدا کی خدائی کے انکار کے تھے۔ چنانچہ اس مسلّم حقیقت سے شفاعت کے اس عقیدے کے باطل ہونے کی طرف رہنمائی فرمائی جس میں عرب کے مشرکین اور اہل کتاب سب کسی نہ کسی نوعیت سے مبتلا تھے۔ فرمایا کہ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ، یعنی جب سب کے سب خدا ہی کے مملوک و محکوم اور اسی کے تابعدار و محکوم ہیں تو کس کی مجال ہے کہ خدا کی اجازت کے بغیر اس کے حضور میں کسی کی سفارش کے لئے زبان کھول سکے۔ اس ارشاد نے شفاعت کے اس تصور کا بالکل خاتمہ کر دیا جس کی بنیاد اس خیال پر تھی کہ بعض شرکاء کو خدا کے ہاں اعتماد اور تدلّل کا یہ درجہ حاصل ہے کہ وہ کسی کے لئے خود بڑھ کر خدا سے سفارش کر سکتے ہیں اور خدا ان کی ناز برداری میں لامحالہ ان کی سفارش قبول بھی فرمائے گا۔ فرمایا کہ نہ خدا کے ہاں کسی کا یہ درجہ ہے اور نہ کوئی اس کے دربار میں اس کی اجازت کے بغیر زبان کھولنے کی جرأت کر سکے گا۔ اسی حقیقت کو دوسری جگہ اس طرح ظاہر فرمایا ہے۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۲۷ ـ الانبیاء (اور مشرکین کہتے ہیں کہ خدا کے اولاد ہے، اللہ ان چیزوں سے پاک اور برتر ہے، فرشتے خدا کی اولاد نہیں بلکہ اس کے باعزت بندے ہیں، وہ اس کے آگے بات کرنے میں

سبقت نہیں کرتے، وہ بس اس کے حکم ہی کی تعمیل کرتے ہیں)

پھر فرمایا کہ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ۔ یعنی خدا کے سامنے کسی کے بارے میں زبان کھولنے کی جسارت تو وہ کرے جو خدا کی معلومات میں کچھ اضافہ کر سکتا ہو اور یہ کہنے کی پوزیشن میں ہو کہ فلاں کے بارے میں نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کو پوری آگاہی نہیں ہے، اسے ہے۔ لیکن یہ حیثیت کس کی ہے؟ اللہ تعالیٰ سب کے آگے اور پیچھے اور اس کے ماضی و مستقبل ہر چیز سے باخبر ہے برعکس اس کے دوسرے کسی کا بھی یہ درجہ و مرتبہ نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم کے کسی حصے کا احاطہ کر سکے۔ دوسروں کے لئے اس کے علم میں سے بس اتنا ہی ہے جتنا وہ از خود اپنے بندوں میں سے کسی پر کھول دے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کی یہ وسعت اور دوسروں کے علم کی یہ محدودیت مشرکین کے تصور شفاعت کا بالکل خاتمہ کر دیتی ہے۔ چنانچہ قرآن نے شفاعت کی تردید کرتے ہوئے اکثر مقامات میں علم الٰہی کی اس وسعت اور دوسروں کے علم کی محدودیت کا حوالہ دیا ہے مثلاً يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۲۰ ـ انبیاء (اللہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر ان کے لئے جن کے لئے اللہ پسند فرمائے اور وہ اس کی خشیت سے ڈرتے ہوں گے) يَوْمَىِٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ۔ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ۱۰۹ ـ ۱۱۰ طٰہٰ (اور اس دن کسی کو کسی کی شفاعت کچھ نفع نہ پہنچائے گی مگر جس کے لئے خدائے رحمان اجازت دے اور اس کے لئے کوئی بات کہنے کو پسند کرے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے پیچھے اور ان کے آگے ہے اور ان کا علم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا)

شفاعت کا یہ تصور بنیادی طور پر غلط ہے اس لئے کہ یہ بندے کا اعتماد خدا کے بجائے بندے پر جماتی ہے اور اس طرح یہ شرک کی راہ کھولتی ہے۔ اس کے بجائے قرآن نے شفاعت کا یہ تصور دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں میں سے جس کو چاہے گا اور جس کے لئے چاہے گا شفاعت کی اجازت دے گا اور وہ خدا سے ڈرتے ہوئے وہی بات زبان سے نکالے گا جو بالکل حق ہوگی

یہ شفاعت چونکہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوگی نیز اسی کے لئے ہوگی جس کے لئے اللہ تعالیٰ پسند فرمائے، اور یہ نہ تو کسی حق کو باطل بنائے گی اور نہ کسی باطل کو حق بلکہ ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق ہوگی اس وجہ سے یہ بندے کا اعتماد خدا پر جمانے والی اور توحید کے تقاضوں کے مطابق ہے۔ چنانچہ اس شفاعت کے لئے اس نے گنجائش رکھی ہے اور اس سے وہ اپنے ان بندوں کو نوازے گا جن کو چاہے گا اس موضوع پر ہم انشاء اللہ سورۂ انعام میں تفصیل کے ساتھ گفتگو کریں گے۔ یہاں اشارہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

جس طرح شفاعت میں یہ استثنا ہے اسی طرح علم کے باب میں بھی یہ استثنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم میں سے جتنا کسی بندے کے لئے چاہتا ہے، دیتا ہے۔ یعنی خدا کے تمام علم کا احاطہ کسی کے لئے بھی ممکن نہیں ہے۔ اس کے نبیوں، رسولوں اور اس کے فرشتوں کو جو علم حاصل ہوتا ہے وہ صرف اتنا ہی ہوتا ہے جتنا وہ کسی کو بخشتا ہے۔

آگے ارشاد ہوا وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا۔ یعنی اس کا اقتدار آسمانوں اور زمین کے ہر گوشے اور کونے پر حاوی ہے، یہ صورت نہیں ہے کہ اس کی وسیع مملکت کے بعض دور دراز گوشے ایسے ہوں جہاں اس کو اپنا اقتدار پوری طرح جمانے کے لئے دوسرے معبودوں کو اپنا شریک اقتدار بنانے پر مجبور ہو اللہ تعالیٰ اس دنیا کے بادشاہوں کی طرح نہیں ہے جو اپنی سلطنت کو سنبھالے رکھنے کے لئے نائبوں، مددگاروں کے محتاج ہوتے ہیں، ان کے بغیر ان کے لئے حکومت کا انتظام دشوار ہو جاتا ہے بلکہ وہ غیر محدود علم، غیر محدود قدرت اور غیر محدود قوت تصرف کا مالک ہے اس لئے جس طرح ہم اپنے مکان کے صحن کی دیکھ بھال کر لیتے ہیں اس سے ہزاروں لاکھوں درجہ سہولت کے ساتھ وہ اپنی اس آسمان و زمین پر حاوی مملکت کا انتظام فرماتا ہے۔ اور ذرا بھی اس کا بوجھ محسوس نہیں کرتا ہے کہ وہ کسی طرف سے ہاتھ بٹانے کا محتاج ہو۔

آخر میں فرمایا کہ اللہ علی اور عظیم ہے۔ یعنی اس کی ہستی بڑی ہی بلند اور بڑی ہی عظیم ہے۔ اس کے علم، اس کی قدرت اور اس کی وسعت کو اپنے محدود پیمانوں سے نہ ناپو، یہیں سے اس کے بارے میں گمراہیاں پیدا ہوتی ہیں اور شرک کی راہیں کھلتی ہیں۔ اپنی صفات کے

باب میں جو کچھ وہ خود بتاتا ہے اس پر ایمان لاؤ اور ظن و قیاس اور تشبیہ و تمثیل کی خیال آرائیوں سے بچو۔

(لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۲۵۶)

طاغوت، بروزن ملکوت و جبروت، طغی، کے مادہ سے ہے جس کے معنی حد سے آگے بڑھ جانے کے ہیں۔ جو چیز اپنی حد مناسب سے آگے بڑھ جائے اس کے لئے عربی میں کہیں گے طغیٰ: طغی الماء پانی حد سے آگے بڑھ گیا۔ قوم ثمود جس آفت سے ہلاک ہوئی اس کے لئے طاغیہ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی حد سے بڑھ جانے والی آفت کے ہیں۔ یہیں سے یہ لفظ حدود عبدیت و بندگی سے نکل جانے کے لئے استعمال ہوا اور جو حدود بندگی سے نکل جائے اس کو طاغوت کہنے لگے۔ پھر وسعت اختیار کر کے یہ لفظ ان چیزوں پر بھی حاوی ہو گیا جو حدود بندگی سے نکل جانے کا باعث یا ذریعہ بنیں۔ اہل لغت اسی وجہ سے اس کی تشریح عام طور پر یوں کرتے ہیں کہ اَلطَّاغُوْتُ عِبَارَةٌ عَنْ كُلِّ مُتَعَدٍّ وَكُلِّ مَعْبُوْدٍ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (طاغوت سے مراد ہر وہ وجود ہے جو بندگی سے نکل جائے اور ہر وہ معبود ہے جس کی اللہ کے سوا پرستش کی جائے)

قرآن نے اس لفظ کو مختلف مقامات میں استعمال کیا ہے اور ہر جگہ اس کے مقابل کا ذکر کر کے اس کے مختلف مفہوموں پر روشنی ڈال دی ہے۔ مثلاً زیر بحث آیت میں ہے فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ یہاں اللہ کے تقابل سے واضح ہے کہ طاغوت سے مراد ماسوا اللہ ہے۔ سورۂ نحل میں ہے۔ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ یہاں بھی اللہ کے سوا دوسرے معبودانِ باطل مراد ہیں۔ سورۂ نساء میں ہے۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ۔ اس کے بعد معاً فرمایا فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ جس سے متعین ہو گیا کہ طاغوت سے مراد شیطان ہے۔ اور شیطان کا لفظ شیاطین انس اور شیاطین جن دونوں کو شامل ہے اسی طرح

ایک دوسرے مقام میں اس لفظ کو کتاب الٰہی اور طریقۂ رسول کے مخالف طریقہ کے لئے استعمال فرمایا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًا بَعِیْدًا، وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْکَ صُدُوْدًا۔ ۶۰ ـ ۶۱ ـ اس آیت میں یَتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ کے بالمقابل تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ کہہ کر یہ واضح کر دیا کہ طاغوت سے یہاں مراد وہ چیزیں ہیں جو کتاب الٰہی اور سنت رسول کے خلاف ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جو خدا کی بندگی و اطاعت سے نکل جائے یا نکل جانے کا باعث اور ذریعہ ہو، وہ سب اس لفظ کے مفہوم میں شامل ہیں۔

اوپر آیت وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِھِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْھُمُ الْبَیِّنٰتُ الآیۃ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی کے لئے جس سنت اللہ کی طرف اشارہ فرمایا تھا یہ اس کی مزید وضاحت فرما دی کہ ہدایت و ضلالت کے معاملے میں اللہ کے رسول کی اصل ذمہ داری صرف حق کو واضح طور پر پہنچا دینا ہے اور جب یہ کام ہو چکا۔ حق باطل سے بالکل الگ ہو کر سامنے آگیا تو رسول کی جو ذمہ داری ہے وہ پوری ہو چکی۔ اب ذمہ داری ان لوگوں کی ہے جن پر حجت تمام ہو چکی ہے اور چاہیں تو کفر کی روش پر اڑے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں جبر فطری کی راہ نہیں اختیار فرمائی ہے بلکہ لوگوں کو اختیار و انتخاب کی آزادی بخشی ہے اگر وہ چاہتا تو ساری دنیا کو نیکی ہی کی ڈگر پر ہانک دیتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ ہدایت و ضلالت کے معاملے میں اس نے لوگوں کو آزادی دی ہے۔ جو لوگ ایمان لائیں گے وہ اس کا صلہ پائیں گے، جو کفر کی راہ اختیار کریں گے وہ اس کی سزا بھگتیں گے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں مختلف مقامات میں مختلف اسلوبوں سے بیان ہوا ہے مثلاً وَقَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِہٖ مِنْ شَیْءٍ، کَذٰلِکَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَھَلْ عَلَی الرُّسُلِ

اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ، وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْھُمْ مَّنْ ھَدَی اللّٰہُ وَمِنْھُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْہِ الضَّلٰلَۃُ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُکَذِّبِیْنَ، اِنْ تَحْرِصْ عَلٰی ھُدٰھُمْ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ یُّضِلُّ وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ۳۵ ـ ۳۷ نحل (اور یہ مشرکین کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی کو نہ پوجتے، نہ ہم نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام ٹھہرا سکتے۔ ایسا ہی سوال اٹھایا ان لوگوں نے بھی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں تو کیا رسولوں پر واضح طور پر پہنچا دینے کے سوا اور کوئی ذمہ داری بھی ہے؟ ہم نے تو ہر امت میں ایک رسول اٹھایا اس دعوت کے ساتھ کہ لوگو، اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت سے بچو، تو ان میں سے کچھ ایسے ہوئے جن کو اللہ نے ہدایت بخشی اور کچھ ایسے ہوئے جو گمراہی کے سزاوار ٹھہرے۔ تو ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ رسولوں کو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا! اگر تم ان لوگوں کی ہدایت کے حریص ہو تو یاد رکھو کہ اللہ ان لوگوں کو ہدایت دینے والا نہیں ہے جن کو گمراہی کا سزاوار ٹھہرا چکا اور ان کے لئے کوئی مددگار نہیں ہے)۔

قرآن مجید میں یہ مضمون مختلف اسلوبوں سے مختلف مقامات میں بیان ہوا ہے۔ ہم نے طوالت سے بچنے کے لئے صرف ایک آیت کے نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ، کے ٹکڑے میں جس جبر و اکراہ کی نفی کی گئی ہے اس سے مقصود جبر فطری کی نفی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ہدایت و ضلالت کے معاملے میں یہ طریقہ نہیں اختیار فرمایا ہے کہ وہ اپنی مشیت و قدرت کے زور سے لوگوں کو ہدایت پر چلا دے یا گمراہی کی طرف ہانک دے۔ اگر وہ ایسا کرنا چاہتا تو کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا تو نہیں تھا لیکن یہ بات اس کی حکمت اور اس کے عدل کے خلاف ہوتی اس نے اس کے برعکس یہ طریقہ اختیار فرمایا ہے کہ اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ سے لوگوں کے سامنے حق اور باطل دونوں کو اچھی طرح واضح کر دیتا ہے، پھر جو لوگ حق کی راہ اختیار کرنا چاہتے ہیں ان کو راہ حق اختیار کرنے کی توفیق ارزانی کرتا ہے اور جو لوگ باطل کی راہ اختیار کرنا چاہتے ہیں ان کو اس کے لئے ڈھیل دے دیتا ہے۔

مقصود اس حقیقت کے واضح کرنے سے ایک تو ان کفار و مشرکین کو جواب دینا تھا جو اس جبر کی آڑ لے کر اپنے کفر و شرک کو ثواب ٹھہرانا چاہتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر ان کا عقیدہ و عمل باطل ہے تو خدا کے اختیار میں تو سب کچھ ہے وہ اپنی قدرت کاملہ سے کام لے کر ان کو ٹھیک کیوں نہیں کر

دینا، دوسرے، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح کرنا تھا کہ بحیثیت نبی اور رسول کے ان کی ذمہ داری صرف دین حق کو اچھی طرح واضح کر دینا ہے، یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ لوگ لازماً ایمان و ہدایت کی راہ اختیار بھی کر لیں۔

اس زمانے میں بعض کم سواد اس آیت کو اس کے اس مفہوم سے ہٹا کر جبر قانونی کی نفی کے معنی میں لیتے ہیں اور اس سے یہ دلیل لاتے ہیں کہ چونکہ اسلام میں اکراہ نہیں ہے اس وجہ سے اسلام کے نام سے فلاں اور فلاں باتوں کو جو مستوجب سزا قرار دیا جاتا ہے یہ محض مولویوں کی من گھڑت باتیں ہیں، اسلام سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس گروہ کے اس استدلال کو اگر صحیح مان لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اسلامی شریعت حدود و تعزیرات سے ایک بالکل خالی شریعت ہے جس میں ہر شخص کو سب کچھ کر گزرنے کی چھوٹ حاصل ہے۔ نہ زنا، تہمت اور چوری پر کوئی سزا ہے، نہ ڈکیتی، رہزنی، فساد فی الارض اور بغاوت پر کوئی تعزیر۔ حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اسلام میں حدود و تعزیرات کا ایک پورا نظام ہے جس کا نفاذ واجبات دین میں سے ہے۔ اگر ایک شخص نماز نہ پڑھے یا روزے نہ رکھے تو اسلامی حکومت اس کو بھی سزا دے سکتی ہے یہ چیز لا اکراہ فی الدین کے منافی نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان اسلام کے خلاف بغاوت کی روش اختیار کرتا ہے تو اس کے لئے بھی اسلامی قانون میں سزا ہے۔ یہ چیز بھی لا اکراہ فی الدین کے خلاف نہیں ہے۔ فتنہ و فساد کو خدا کی زمین سے مٹانے کے لئے اسلام نے اہل ایمان پر جہاد بھی واجب کیا ہے، یہ چیز بھی لا اکراہ فی الدین کے منافی نہیں ہے۔

اس امر میں شبہ نہیں ہے کہ اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے لیکن ساتھ ہی وہ اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ ایک شخص اسلام کے دائرے میں داخل ہو جانے کے بعد بھی جو اس کے جی میں آئے کرتا پھرے اور اس پر کوئی گرفت نہ ہو بلکہ وہ اس کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اسلام کے حدود و قیود کی پابندی کرے۔ لادینی نظاموں میں مذہب کو نجی زندگی سے متعلق مانا جاتا ہے۔ اس وجہ سے ان میں حکومت کی نافرمانیوں پر تو سزائیں اور تعزیرات ہیں۔ لیکن خدا سے بغاوت کی آزادی حاصل ہوتی ہے لیکن اسلام میں مذہب کے پرائیویٹ زندگی سے مخصوص ہونے کا کوئی تصور نہیں ہے بلکہ اسلامی حکومت اصلاً خدا ہی

کی حکومت ہوتی ہے اور ریاست کا سیاسی ادارہ صرف خدا کے احکام و قوانین کے اجراء و نفاذ کا ایک ذریعہ ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس میں خدا کی ہر نافرمانی قابل گرفت ہوتی ہے۔ خواہ وہ نافرمانی مخفی ہو یا ظاہر۔ فرق ہے تو یہ ہے کہ مخفی نافرمانیوں پر خدا کی اخروی عدالت گرفت کرے گی اور ظاہری نافرمانیوں پر اسلام کی دنیوی عدالتیں گرفت کرنے اور ان پر سزا دینے کی مجاز ہیں۔ ارتداد بھی اسی زمرے کا ایک جرم بلکہ بہت بڑا جرم ہے اور اس پر جو سزا ایک اسلامی نظام میں دی جاتی ہے وہ اس بات پر نہیں دی جاتی کہ ایک شخص کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے بلکہ اس بات پر دی جاتی ہے کہ اس نے خدا کی حکومت اور اس کے قانون کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے۔

اسی طرح اس امر سے بھی انکار نہیں ہے کہ محض کسی قوم کے اندر کفر کا وجود اس امر کے لئے کافی وجہ نہیں ہے کہ اسلام کے علمبردار ان کے خلاف جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور تلوار کے زور سے ان کو اسلام پر مجبور کر دیں۔ کافر قوموں کے ساتھ مسلمانوں کا تعلق لازماً ہر شکل میں معاندانہ ہی نہیں بلکہ مصالحانہ بھی ہو سکتا ہے۔ جہاد اصلاً فتنہ اور فساد فی الارض کے مٹانے کے لئے مشروع ہوا ہے اگر یہ چیز کہیں پائی جاتی ہے تو اہل ایمان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اگر وہ استطاعت رکھتے ہیں تو اس فتنہ اور فساد فی الارض کو مٹانے کے لئے جہاد کریں، خاص طور پر اس فتنہ کو مٹانے کے لئے جو اہل کفر کے ہاتھوں اس لئے برپا کیا جائے کہ اہل ایمان کو ان کے دین سے پھیرا جائے یا اسلامی نظام کو برباد کیا جائے۔ اس فتنہ کے استیصال کے بعد اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے بلکہ اس نے اپنے نظام میں اس بات کی پوری گنجائش رکھی ہے کہ اہل کفر اپنے کفر پر قائم رہتے ہوئے اسلامی حکومت کی رعایا رہ سکتے ہیں اور ان کے حقوق کی حفاظت اسلامی حکومت کے فرائض میں داخل ہے۔ صرف مشرکین بنی اسمٰعیل کا معاملہ اس کلیہ سے ایک استثنا کی نوعیت رکھتا ہے۔ اس کی وجوہ تفصیل کے ساتھ اس سورۃ کی آیات ۱۹۲ - ۱۹۳ کے تحت بیان کر چکے ہیں اور مزید وضاحت کے ساتھ اس پر ہم انشاء اللہ سورۂ براءت کی تفسیر میں بحث کریں گے۔

قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (ہدایت گمراہی سے بالکل الگ ہو چکی ہے) یہ مذکورہ اکراہ کی نفی کی وجہ بیان ہوئی ہے کہ خدا کی طرف سے اتمام حجت کے لئے یہ کافی ہے کہ اس نے اپنے نبی کے ذریعہ سے حق و باطل کو الگ الگ کر دیا۔ اس کے بعد اب ذمہ داری لوگوں کی ہے جس کا جی —

حق کو اختیار کرے اور جس کا جی چاہے باطل کے ساتھ چمٹا رہے۔ البتہ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جو لوگ اس وضاحت کے بعد بھی باطل سے چمٹے رہیں گے تو ایک دن آئے گا کہ خود یہ باطل ان کا ساتھ چھوڑ دے گا۔ نہ ٹوٹنے والی رسی صرف ان کے ہاتھ میں ہوگی جو آج غیر اللہ سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف یکسو ہو جائیں۔

آخر میں سمیع و علیم کی صفت کا حوالہ اس حقیقت کو واضح کر رہا ہے کہ جو لوگ غیر اللہ کو چھوڑ کر اللہ ہی کی رسی کو پکڑتے ہیں وہ ایک ایسے کا دامن پکڑتے ہیں جو سب کچھ سنتا اور سب کچھ جانتا ہے اس وجہ سے وہ ہر قدم پر اور ہر مرحلے میں ان کا ملجا و ماویٰ ہے۔ برعکس اس کے جو غیر اللہ کی پرستش کر رہے ہیں وہ ایسوں کے سہارے پر جی رہے ہیں جنہیں ان کے آغاز و انجام کا تو در کنار خود اپنے آغاز و انجام کا بھی کچھ پتہ نہیں۔ یہاں تک کہ انہیں یہ بھی پتہ نہیں کہ کچھ نادان لوگ ان کی پرستش کر رہے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی اس بے خبری کا اظہار آخرت میں کریں گے۔ اور اپنے ان پرستاروں پر لعنت بھیجیں گے۔

(۸۴) آگے کا مضمون۔ آیات ۲۵۷-۲۶۰

آگے کا مضمون

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ الآیہ میں ہدایت و ضلالت سے متعلق جس سنت اللہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے آگے کی چند آیات میں اس کی مزید وضاحت فرما دی ہے۔ پھر کلام اصل سلسلہ بیان یعنی انفاق سے جڑ گیا ہے۔ یہ وضاحت تین واقعاتی مثالوں کے ذریعہ سے کی گئی ہے اس لئے کہ حقائق جب تک مثالوں سے نہ واضح کئے جائیں اس وقت تک وہ اچھی طرح ذہن نشین نہیں ہو سکتے۔ قرآن مجید کا عام اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ پہلے ہر مسئلہ سے متعلق عقلی و فطری دلائل پیش کرتا ہے۔ پھر تاریخی اور واقعاتی مثالوں سے اس کو مدلل اور دل نشین بناتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا ہے۔ ہدایت و ضلالت سے متعلق اصل قانون الٰہی اصولی شکل میں پیش کرنے کے بعد تین مثالیں پیش کی ہیں جن میں سے ایک سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کس طرح کے لوگ ہیں جو شیطان کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں اور جن کو گمراہی سے نکل کر ہدایت کی طرف آنا نصیب نہیں ہوتا اور دو سے یہ واضح ہوتا

ہے کہ کس طرح کے لوگ ہوتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ دستگیری فرماتا ہے اور ان کو ہر قسم کی الجھنوں سے نکال کر ایمان و یقین کی روشنی اور شرح صدر کی طمانیت بخشتا ہے۔

اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمایئے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ
۳۴ ع هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَاۗجَّ اِبْرٰھٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُـحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰھٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰي قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰي عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُـحْيٖ ھٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۭ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۭ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُھَا ثُمَّ نَكْسُوْھَا لَحْــمًا ۭ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُـحْيِ الْمَوْتٰى ۭ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۭ قَالَ بَلٰي وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِيْ ۭ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْھُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰي كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ۭ وَاعْلَمْ
۳۵ ع اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

ترجمہ:- اللہ ان لوگوں کا کارساز ہوتا ہے جو ایمان لاتے ہیں وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لاتا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کے کارساز طاغوت بنتے ہیں، وہ ان کو روشنی سے تاریکیوں کی طرف دھکیلتے ہیں۔ یہی لوگ دوزخی ہیں، یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ۲۵۷-

کیا تم نے اس کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے باب میں

اس وجہ سے حجت کی کہ خدا نے اس کو اقتدار بخشا تھا، جب کہ ابراہیم نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے، وہ بولا کہ میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا کہ یہ بات ہے تو اللہ سورج کو پورب سے نکالتا ہے تو اسے پچھم سے نکال دے، تو وہ کافر یہ سن کر بھوچکا رہ گیا اور اللہ ظالموں کو راہ یاب نہیں کرتا - ۲۵۸ -

یا جیسے کہ وہ جس کا گزر ایک بستی پر ہوا جو اپنی چھتوں پر ڈھئی ہوئی پڑی تھی، اس نے کہا کہ بھلا اللہ اس کو اس کے فنا ہو چکنے کے بعد کس طرح زندہ کرے گا؟ تو اللہ نے اس کو سو سال کی موت دے دی، پھر اس کو اٹھایا۔ پوچھا کتنی مدت اس حال میں رہے؟ بولا ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ فرمایا بلکہ تم پورے سو سال اس حال میں رہے۔ اب تم اپنے کھانے پینے کی چیزوں کی طرف دیکھو ان میں سے کوئی چیز بسی تک نہیں۔ اور اپنے گدھے کو دیکھو ہم اس کو کس طرح زندہ کرتے ہیں تاکہ تمہیں اٹھائے جانے پر یقین ہو اور تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لئے ایک نشانی بنائیں اور ہڈیوں کی طرف دیکھو، کس طرح ہم ان کا ڈھانچہ کھڑا کرتے ہیں۔ پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ پس جب اس پر حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی وہ پکار اٹھا کہ میں مانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۲۵۹ -

اور یاد کرو جب کہ ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب، مجھے دکھا دے تو مُردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ فرمایا کیا تم اس بات پر ایمان نہیں رکھتے؟ بولا ایمان تو رکھتا ہوں لیکن چاہتا ہوں کہ میرا دل پوری طرح مطمئن ہو جائے۔ فرمایا، تو چار پرندے لو اور ان کو اپنے سے ہلا لو، پھر ان کو ٹکڑے کر کے ہر پہاڑی پر ان کا ایک ایک حصہ رکھ دو، پھر ان کو بلاؤ وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے اور جان رکھو کہ اللہ غالب اور حکیم ہے۔ ۲۶۰ -

افادات فراہیؒ
مجید خاور صاحب

اسالیبِ قرآن

۱ - حذف

حذف سے مراد ہے کلام سے غیر ضروری اجزاء کو خارج کر دینا۔ غیر ضروری جزء وہ ہوتا ہے جس کے بغیر بھی بات پوری طرح سے سمجھ میں آ جائے اور سننے والا اس سے اثر قبول کرے۔ کلام کا مقصد سمجھنے اور اثر پذیری کے سوا کچھ نہیں۔ اگر ان دو مقاصد پر مزید کچھ اضافہ کر دیا جائے تو کلام ثقیل ہو جاتا اور سامع کو اصل مقصد سے دور کر دیتا ہے چونکہ سننے والے ذہانت اور اثر پذیری کے مختلف مدارج میں ہوتے ہیں اس لئے مختلف زبانوں میں حذف کی مقدار میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ جہاں تک اہل عرب کا تعلق ہے ان کی ذہانت اور جلائے ذہنی کی وجہ سے بلیغ کلام ان کے نزدیک وہ ہوتا تھا جو قل و دل ہو۔ جو کلام غیر ضروری اجزاء سے پاک نہ ہوتا۔ وہ ان کی نگاہوں سے گر جاتا اور طول بیان کے عیب کی بنا پر وہ اس کو سننا گوارا نہ کرتے۔ ان کے نزدیک یا تو اس کا متکلم احمق ہوتا یا وہ یہ سمجھتے کہ وہ سننے والوں کو احمق بنا رہا ہے۔ اسی بنا پر ان کے کلام میں حذف کا پایا جانا ان کی فطری خصوصیات کا ایک حصہ تھا اور اسی جبلت پر ان کی خلقت ہوئی تھی۔ چنانچہ یہ چیز ان کے کلام میں مختلف پہلوؤں سے نمایاں ہوئی۔ مثلاً

۱ - دوسری زبانوں کے مقابلے میں ان کا کلام مشکل نہیں ہوا۔ ان کی یہ خصوصیت اسی وقت تک قائم رہی جب تک ان کا کلام عجمی اثرات سے آزاد رہا۔ اس خصوصیت میں عبرانی بھی عربی ہی کی بہن ہے۔

۲- انہوں نے ترکیب میں اکثر حروف کی ہیئتوں کو ساقط کر دیا۔ اسی لئے وہ اپنے ابتدائی ترکیبی خط کی وجہ سے تمام قوموں پر سبقت لے گئے۔

۳- انہوں نے کلام کو روابط کلام مثلاً اضافت، خبر، تمییز، ظرفیت وغیرہ کو ظاہر کرنے والے حروف والفاظ سے بے نیاز کر دیا اور یہ چیز زبان کی ترقی کی راہ میں ایک اہم قدم ہے۔

۴- انہوں نے کلام کو ان تمام چیزوں سے پاک کر دیا جن پر قرینہ دلیل ہو۔ مثلاً بعض مواقع میں فعل اور بعض مواقع میں جواب شرط یا جواب قسم کو وہ حذف کر دیتے ہیں۔

۵- قصوں اور دلائل کے باب میں وہ بعض تفصیلات یا مقدمات کو چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ دوسری قوموں میں ایسا نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ عجمیوں کے لئے ان کی بات کو ٹھیک ٹھیک سمجھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

جب یہ حقیقت معلوم ہو گئی کہ عربوں کے ہاں حذف ایک کثیر الاستعمال اور واضح چیز ہے تو ہمارے لئے یہ ضروری قرار پاتا ہے کہ ہم یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ اس کے لئے وہ کیا طریقے اختیار کرتے ہیں تاکہ محذوفات کے کھولنے میں کسی غلطی کا احتمال نہ رہے۔ ورنہ عین ممکن ہے کہ ہم کسی محذوف کی بنا پر بعض حالات میں کلام کے معانی کو بالکل بدل کر رکھ دیں۔

حذف کے مواقع

عربی میں حذف کے مختلف مواقع ہیں۔ مثلاً

۱- ماضی کے صیغے کو اس موقع پر حذف کر دینا جہاں وہ مضارع کے ساتھ مل کر آئے جیسے کَانَ یَفْعَلُ کی جگہ یَفْعَلُ۔ یہ اسلوب عربی میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی چند آیات ملاحظہ ہوں:

(۱) فَلَا تَکُ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّمَّا یَعْبُدُ ھٰٓؤُلَآءِ مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا کَمَا یَعْبُدُ (یعنی کَمَا کَانَ یَعْبُدُ) اٰبَآؤُھُمْ مِّنْ قَبْلُ (ہود ۱۱: ۱۰۹)

تو یہ لوگ جو پوجا کرتے ہیں تم اس سے خلجان میں نہ پڑنا۔ یہ اسی طرح پوجا کرتے ہیں جس طرح ان کے باپ دادا پہلے سے پوجتے آئے۔

(۲) وَکَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِیٍّ فِی الْاَوَّلِیْنَ ۔ وَمَا یَاْتِیْھِمْ (یعنی مَا کَانَ یَاْتِیْھِمْ)

مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ (الزخرف ۴۳: ۶-۷)

اور ہم نے اگلوں میں کتنے ہی نبی بھیجے۔ ان کے پاس کوئی نبی نہ آتا تھا مگر وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔

(۳) وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّھُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۔ وَیَصْنَعُ الْفُلْکَ (یعنی جَعَلَ یَصْنَعُ الْفُلْکَ) وَکُلَّمَا مَرَّ عَلَیْہِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِہٖ سَخِرُوْا مِنْہُ (ہود ۱۱: ۳۷-۳۸)

اور تو ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بنا اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے کچھ نہ کہنا یہ غرق کئے جانے والے ہیں۔ وہ کشتی بنانے لگا تو جب قوم کے سرکردہ لوگوں کا اس پر گزر ہوتا تو اس کا مذاق اڑاتے۔

(۴) وَکَذٰلِکَ نُرِیْٓ (یعنی کُنَّا نُرِیْ) اِبْرٰھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (انعام ۶: ۷۵)

اور ہم اسی طرح ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے کارخانہ کا مشاہدہ کراتے تھے۔

۲- کسی فعل کے بعد اس کے مشابہ فعل کا حذف کر دینا۔ جیسے کسی شاعر نے کہا ہے ؎

وَزَجَّجْنَ الْحَوَاجِبَ وَالْعُیُوْنَا

انہوں نے پلکوں کو سنوارا اور آنکھوں میں سرمہ لگایا

یہاں اصل میں "وَکَحَّلْنَ الْعُیُوْنَا" ہے۔ الحواجب کے فعل کو بیان کرنے کے بعد کحلن کو حذف کر دیا۔

قرآن حکیم میں ہے:

وَالَّذِیْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِھِمْ (الحشر ۵۹: ۹)

اور وہ لوگ جو پہلے سے گھروں میں رہے اور ایمان لائے۔

یہاں دراصل اتخذوا الایمان ہے لیکن اس کو محذوف کر دیا ہے۔

دوسری جگہ ہے

وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ وَاَنْھٰرًا (النحل ۱۶: ۱۵)

اور اسی نے زمین پر پہاڑ رکھ دیئے کہ تم کو لے کر وہ جھک نہ جائے اور اس میں دریا جاری کئے۔

یہاں اَجْرٰی فِیْھَا اَنْھٰرًا ہے۔

ایک اور جگہ ہے:

نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ

(آل عمران ۳: ۶۱)

اگر اس آیت کے محذوفات کو کھول دیا جائے تو پوری بات یوں ہوگی۔

نَدْعُ نَحْنُ أَبْنَاءَنَا وَأَنتُمْ أَبْنَاءَكُمْ وَنَحْنُ نِسَاءَنَا وَأَنتُمْ نِسَاءَكُمْ وَنَحْنُ نُحْضِرُ أَنفُسَنَا وَأَنتُمْ أَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ نَحْنُ وَأَنتُمْ۔

ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ۔ ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ۔ ہم اپنے آپ کو حاضر کریں تم اپنے آپ کو حاضر کرو پھر ہم اور تم مباہلہ کریں۔

۳۔ جزا کا حذف کر دینا۔ یہ اسلوب عربی میں کثرت سے استعمال ہے۔ سورہ زمر میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ یہ اسلوب اکثر دلیل کے ذکر کے موقع پر آتا ہے۔ جیسے:

وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا (النساء ۴: ۱۲۷)

اور تم جو بھلائی کرو گے وہ ضائع نہ ہوگی کیونکہ اللہ اس کا علم رکھنے والا ہے۔

۴۔ شرط اور جزا دونوں کا ایسے موقع پر حذف کر دینا جہاں شرط خود بخود سمجھی جا سکتی ہو مثلاً آیت

أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا (النساء ۴: ۱۳۹)

کیا یہ ان کے ہاں عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو وہ ان کو حاصل نہ ہوگی کیونکہ عزت تمام تر اللہ کی ہے کا اصل مفہوم یہ ہے إِنْ يَبْتَغُوا الْعِزَّةَ عِندَهُمْ لَنْ يَجِدُوهَا فَإِنَّ الْعِزَّةَ كُلَّهَا بِيَدِ اللَّهِ۔

۵۔ عطف کے عام اصول کے مطابق کسی ایسے لفظ کا حذف کر دینا جس کا مشابہ جملے میں ایک مرتبہ ذکر ہو چکا ہو۔ چنانچہ ہم جَاءَ زَيْدٌ وَجَاءَ عَمْرٌو کہنے کے بجائے جَاءَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ۔ (الانفال ۸: ۶۶)

اگر تم میں سے ایک سو ثابت قدم شخص ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے۔ اور اگر تم میں سے

ایک ہزار ثابت قدم ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔

یہاں "الفٌ" کے بعد "صابرۃٌ" محذوف ہے۔ اس آیت کا آخری حصہ خود اس محذوف حقیقت کی طرف رہنمائی کر رہا ہے۔

۶۔ قول اور قائل کا ذکر اس کے کلام سے قبل حذف کر دینا۔ مثلاً قرآن حکیم میں ہے!

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ (قِيلَ لَهُمْ) أَكَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ (آل عمران ۳: ۱۰۶)

جس روز بعض چہرے سفید اور بعض سیاہ ہوں گے تو ان میں سے جن کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے پوچھا جائے گا کیا تم نے ایمان کے بعد کفر کیا؟ پس اپنے کفر کے سبب سے عذاب کا مزا چکھو۔

قرآن کریم میں اس اسلوب کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

۷۔ بات کے ایک حصہ کے بیان سے پہلے اس حصہ کو حذف کرنا جس میں متکلم نے کسی بات کا انکار کیا ہو اور بیان کردہ حصہ کلام جس کی طرف رہنمائی کر رہا ہو۔ مثلاً

قُل لَّن تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا (الفتح ۴۸: ۱۵)

میں اصل کلام یوں ہوگا: فَسَيَقُولُونَ لَمْ يَقُلِ اللَّهُ بَلْ أَنتُمْ تَحْسُدُونَنَا۔

(ترجمہ) کہو تم ہرگز ہمارے پیچھے نہ آؤ گے۔ خدا نے پہلے سے یہ ہدایت کر دی ہے۔ تو وہ کہیں گے خدا نے ایسا نہیں کہا البتہ تم ہم سے حسد کرتے ہو۔

۸۔ کسی جملہ کا حذف کر دینا جیسے: وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ (الانبیاء ۲۱: ۹۵) یعنی حَرَامٌ أَن يَرْجِعُوا

(ترجمہ) اور جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا محال ہے کہ وہ واپس لوٹیں وہ رجوع نہیں کریں گے۔

۹۔ دو متقابلوں میں سے ایک کا حذف کر دینا جس پر اس کا مقابل دلیل ہو۔ جیسے فرمایا!

فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ (ترجمہ) اللہ نے ان کو بھوک کا مزہ چکھایا اور خوف کا لباس (النحل ۱۶: ۱۱۲)

پہنایا۔ یعنی فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ طَعْمَ الْجُوعِ وَأَلْبَسَهَا لِبَاسَ الْخَوْفِ۔

دوسری جگہ ہے:۔

جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا (یونس ۱۰: ۶۷) یعنی جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ مُظْلِمًا لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا لِتَبْتَغُوا فِيهِ۔

ترجمہ اس نے تمہارے لئے رات کو تاریک بنایا کہ تم اس میں سکون پاسکو اور دن کو روشن بنایا کہ تم اس میں روزی کماسکو۔

ایک اور مثال ہے۔

جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (النبا ۷۸: ۱۰-۱۱) یعنی جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا وَسُكُونًا وَجَعَلْنَا النَّهَارَ ضِيَاءً وَمَعَاشًا۔ اسی قبیل سے حارث بن حلزہ کا یہ مصرع ہے ؎

وَالعَيْشُ خَيْرٌ فِي ظِلَالِ النُّوكِ مِمَّنْ عَاشَ كَدًّا

وہ زندگی جو حماقت کے زیر سایہ عیش و آرام میں گزرے اس زندگی سے بہتر ہے جو عقل کے ساتھ تنگدستی میں بسر ہو۔

اس کا مفہوم ہے العیشُ (فِي الرفاهية) مع الحمق خير من العيش في الكد (مع العقل) شاعر نے پہلے جزء سے "الرفاهية" کو اور دوسرے سے "العقل" کو محذوف کر دیا اور "ظلال" کے ذکر سے "الرفاهية" کی طرف اشارہ کر دیا۔

عمرو بن معدیکرب کا ایک شعر ہے ؎

لَيْسَ الجمالُ بمئزرٍ

فاعلمْ وإنْ رُدِّيتَ بردا

جان لو کہ جمال کسی چادر یا تہبند کا نام نہیں خواہ تم کو چادر اڑھادی جائے یا تہبند پہنائی جائے۔

حذف کھولنے پر یہ عبارت اس طرح ہوگی ليس الجمال ببرد ومئزر فاعلم وان رديت واتزرت۔

۱۰۔ اس لفظ کا حذف کر دینا جس سے مذکورہ حرف جر متعلق ہو۔ اس جملے کا حذف کھولنے کیلئے

کوئی ایسا لفظ مقدر ماننا پڑتا ہے جس پر مذکورہ حرف جر دلالت کرتا ہو۔ مثلاً حضرت حسان بن ثابتؓ نے فرمایا ؎

هم جبل الاسلام والناس حوله

رضام الى طود يروق ويقهر

ترجمہ:۔ گویا وہ اسلام کے پہاڑ ہیں اور لوگ اس پہاڑ کے ارد گرد ایک چٹان کی مانند ہیں جس کے چاروں طرف پتھر ہوں اور وہ چٹان ان کو فضیلت بخش رہی ہو اور ان کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہو۔

الى طود اصل میں مستندۃٌ الى طود ہوگا۔ اسی طرح قَامَ إِلَيْهِ کا مفہوم ہوگا قَامَ وَمَشَى إِلَيْهِ۔

۱۱۔ جواب قسم سے پہلے لا کا حذف کر دیا جانا۔ حضرت حسانؓ کا شعر ہے ؎

وَاللهِ اسمع ما حييت بهالك

الا بكيت على النبي محمدٍ

ترجمہ اللہ کی قسم جب تک زندہ ہوں، میں کسی مرنے والے کی موت کی خبر نہ سنوں گا مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ضرور روؤں گا۔

یعنی لا اسمع ما حييت

۱۲۔ جواب قسم کا حذف کر دینا۔ مثلاً وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ (الفجر ۸۹: ۱-۲) کے بعد جواب محذوف ہے۔ اہل نحو اس طرح کے مواقع میں کلام کو عام نحوی ضابطہ کے مطابق بنانے کے لئے غیر ضروری تکلف سے کام لیتے ہیں جس سے بات میں الجھاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ محذوف ماننے سے یہ الجھاؤ پیدا نہیں ہوتا اور جب کلام عرب میں اس کی واضح مثالیں موجود ہیں تو اس سے گریز کیوں ہو؟

بحث ونظر

امین احسن اصلاحی

"خاندانی منصوبہ بندی اور مذہب"

مارچ' اپریل کے مشترک شمارے میں ہم نے ڈاکٹر فضل الرحمان صاحب کا ایک مضمون مذکورہ بالا عنوان سے شائع کیا تھا۔ اس مضمون میں موصوف نے ان لوگوں کو جواب دینے کی کوشش کی ہے جو خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک کو مذہب کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے سب سے پہلا نکتہ جو ارشاد فرمایا ہے وہ خود ان کے الفاظ میں یہ ہے۔

"اول تو یہی بات تعجب انگیز ہے کہ ..... ہم اپنی قوم کی مادی اور اخلاقی بہبود کی ترقی کے نازک ترین مسئلے سے دوچار ہوں اور اسلام اس کے آڑے آئے۔ اگر اسلام فی الواقع کسی لازمی اور حقیقی اخلاقی مطالبے کے پورا کرنے پر معترض ہوتا ہو تو پھر تو خدانخواستہ یہ ماننا پڑے گا کہ اسلام غیر اخلاقی ہے"

ڈاکٹر صاحب کے ان الفاظ سے سب سے پہلے تو ہمارے سامنے اسلام کو جانچنے کے لئے وہ کسوٹی آتی ہے جس پر پرکھ کر یہ حضرات فیصلہ فرماتے ہیں کہ اسلام ایک اخلاقی مذہب ہے یا غیر اخلاقی۔ وہ کسوٹی یہ ہے کہ جس بات کو یہ حضرات طے کر لیں کہ اس کا اختیار کیا جانا ان کی ترقی کے لئے ضروری ہے اسلام پر یہ واجب ہے کہ وہ اس کی تصدیق و تصویب کرے ورنہ خدانخواستہ یہ ماننا پڑے گا کہ اسلام ایک غیر اخلاقی مذہب ہے جو ان کے ایک لازمی اور حقیقی مطالبے میں آڑے آ رہا ہے۔ شاید جسٹس کیانی مرحوم نے ان حضرات کی اسی منطق کا خلاصہ اس طرح پیش کیا تھا کہ "جو کچھ یہ کرتے ہیں وہ ٹھیک ہے اور اسلام ایک ٹھیک مذہب ہے اس وجہ سے وہ اس کا مخالف کس طرح ہو سکتا ہے" کیانی مرحوم کے ان الفاظ پر ان ڈاکٹر صاحب کی طرف سے اتنے الفاظ کا اور اضافہ

کر لیجیے کہ اگر خدانخواستہ اسلام اس کا مخالف ہوا تو یہ ماننا پڑے گا کہ وہ ایک غلط مذہب ہے"۔

یہ حضرات ایک امر کا لازمی، حقیقی اور اخلاقی ہونا خود طے کرتے ہیں، اس بارے میں وہ اسلام سے کسی رہنمائی کی ضرورت محسوس نہیں فرماتے، پھر اس کا علاج بھی خود ہی تجویز فرما لیتے ہیں اور اس امر میں بھی انہیں اسلام سے کسی مشورے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ البتہ اگر انہیں کوئی توجہ دلائے کہ ذرا یہ تو دیکھ لیجیے کہ اس بارے میں اسلام کیا کہتا ہے تو اس کا پہلا جواب تو وہ یہ دیتے ہیں کہ "اسلام اگر ہماری ایک حقیقی ضرورت میں آڑے آئے تو یہ ماننا پڑے گا کہ اسلام خدانخواستہ ایک غیر اخلاقی مذہب ہے"۔ اس کے بعد اسلام کو "اخلاقی" ثابت کرنے کے لئے یہ حضرات کمربستہ ہوتے ہیں اور اپنی مستشرقانہ ذہانت سے اس طرح کی دلیلیں گھڑنا شروع کرتے ہیں جس قسم کی دلیلیں اس مضمون میں فراہم کی گئی ہیں۔

اول تو یہ دیکھیے کہ اسلام سے رہنمائی حاصل کرنے کا طریقہ کتنا ستم ظریفانہ ہے کہ پہلے ترقی کا ایک معیار از خود طے کر لیا جاتا ہے، (اس کے طے کرنے میں کسی اجتہاد و بصیرت کو دخل نہیں ہے بلکہ یہ تمام تر مغربی ہے یورپ اور امریکہ کی اندھی بہری تقلید پر) پھر یہ فیصلہ صادر فرما دیا جاتا ہے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ اسلام اس ترقی کے حصول کی کسی تدبیر پر معترض ہو، اگر خدانخواستہ وہ معترض ہوا تو اس کے معنی تو یہ ہیں کہ اسلام ایک غیر اخلاقی مذہب ہے۔ اس دلیل کو ذرا وسعت دیجیے تو ٹھیک اسی بنیاد پر یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ آج سود، شراب، زنا، جوا، رقص و سرود، بے پردگی، عریانی، مرد و زن کا آزادانہ اختلاط، سینما، حسن کے مقابلے، قحبہ گری کے اڈے اور اس قبیل کی ساری شریفانہ چیزیں ہماری حقیقی ضروریات میں شامل ہیں اس لئے کہ تہذیب و ترقی کی ساری رونق انہی چیزوں سے ہے۔ پھر ایک قدم آگے بڑھ کر ڈاکٹر صاحب موصوف کے الفاظ میں یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ اگر اسلام ان باتوں پر معترض ہوتا ہے تو پھر تو یہ ماننا پڑے گا کہ خدانخواستہ اسلام ایک غیر اخلاقی مذہب ہے۔ بتایئے کہ اگر ان ڈاکٹر صاحب کا یہ اصول اجتہاد تسلیم کر لیا جائے تو ان حضرات کے ہاتھوں اسلام کا کیا حشر ہو گا؟

ان حضرات کے نزدیک یورپ اور امریکہ ترقی کا نمونہ ہیں لیکن [illegible] کہ اسلام بھی ان کو ترقی کے نمونے مانتا ہو، ہو سکتا ہے کہ اس کے نزدیک [illegible] ہوں، ترقی اور کمال کے نمونے اس سے بالکل مختلف ہوں [illegible]

ہوئی آبادی کو ایک لعنت سمجھے اور اس کو مٹانے کے درپے ہو ہمیں تو یہ علم ہے کہ وہ بڑھتی ہوئی آبادی کو ایک رحمت سمجھتا ہے اور اس آبادی کی کفالت اور اس کی اصلاح و تربیت کی اس کا نظام پوری پوری ذمہ داری لیتا ہے۔ اسی طرح یہ کیا ضروری ہے کہ معیارِ زندگی اُونچا کرنے کا وہ جنون جو آج امریکہ میں پایا جاتا ہے (کہ خود ڈاکٹر صاحب کے بقول وہاں ایک شخص اپنے گھر میں ایک ریفریجریٹر کے اضافے کو ایک بچے کی ولادت پر ترجیح دے گا) اسلام میں بھی کوئی محبوب و مطلوب شے ہو، ہو سکتا ہے (بلکہ ہے) کہ اسلام اس چیز کو انسانی فطرت کا انتہائی بگاڑ قرار دیتا ہو اور معیارِ زندگی کے مسئلے کو وہ بالکل اس سے مختلف نگاہ سے دیکھتا ہو جس نگاہ سے اس کو ڈاکٹر صاحب دیکھ رہے ہیں۔ لیکن ان باتوں کا صحیح صحیح اندازہ تو جب ہو جب یہ اسلام پر ایمان کی روشنی میں غور کریں۔ ان حضرات کا تو حال یہ ہے کہ تہذیبِ مغرب نے ان کی آنکھیں خیرہ کر رکھی ہیں اور مستشرقین نے ان پر اپنی عینکیں چڑھا دی ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہیں اسلام میں بھی وہی کچھ نظر آتا ہے جو یورپ اور امریکہ میں دیکھ آئے ہیں اور اگر کوئی صاحبِ بصیرت انہیں بتائے کہ آپ کی آنکھیں غلطی کر رہی ہیں تو کہتے ہیں کہ پھر تو ماننا پڑیگا کہ خدانخواستہ اسلام بالکل غیر اخلاقی ہے۔

ان حضرات کے سوچنے کا یہ انداز صرف مذہبی نقطۂ نظر ہی سے غلط نہیں ہے بلکہ عقلی اعتبار سے بھی بالکل غلط ہے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ کسی ملک میں بڑھتی ہوئی آبادی کو ایک خطرے کی حیثیت سے دیکھنے کا سوال اگر خدانخواستہ پیدا بھی ہو سکتا ہے تو اس وقت پیدا ہو سکتا ہے جب اس کے تمام قدرتی وسائل و ذرائع آزمائے جا چکے ہوں۔ وہ ممالک جن کے وسائل و ذرائع میں سے ۷۵ فیصد بھی ابھی شائد آزمائے نہیں گئے اور جن کے ہاں اجتماعی سیرت و کردار کا حال یہ ہے کہ پانچ فی ہزار آدمی بھی ایسے مشکل سے مل سکیں گے جو اپنے سرکاری و اجتماعی فرائض دیانتداری سے انجام دیتے ہوں وہاں ترقی کا پہلا قدم اور اجتماعی زندگی کا سب سے پہلا سوال یہ نہیں ہے کہ آبادی کو بڑھنے سے کس طرح روکا جائے اور زندگی کے معیار کو کس طرح اونچا کیا جائے بلکہ سب سے اہم سوال یہ ہے کہ پڑھے لکھے لوگوں میں ملک و قوم کی خدمت کا سچا جذبہ کس طرح پیدا کیا جائے، انہیں معیارِ زندگی اونچا کرنے کے مقابلوں سے الگ کر کے اس راہ پر کس طرح لگایا جائے کہ وہ ملک و قوم کے سچے بہی خواہ بنیں، اپنے فرائض ایمانداری سے ادا کریں، رشوت کو حرام جانیں، تھوڑے معاوضے پر اپنے ملک کی زیادہ سے زیادہ خدمت کریں

اور جی جان کی بازی لگا کر اس کے وسائل کو ترقی دیں۔ آج جن ملکوں اور قوموں کی ترقی اور ان کے معیارِ زندگی کو ہم رشک کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں تاریخ کا ہر طالبِ علم جانتا ہے کہ جس دور میں انہوں نے یہ ترقیاں کی ہیں اور اپنے معیارِ زندگی کے اُونچے کرنے کے یہ وسائل فراہم کئے ہیں اس دور میں وہ "خاندانی منصوبہ بندی" کی اصطلاح سے بھی واقف نہ تھے چہ جائیکہ وہ اس کو اپنی ترقی کے لئے ایک لازمی اور حقیقی مطالبہ ٹھہرائیں۔ امریکہ، انگلستان، جرمنی، فرانس، جاپان ان میں سے ہر ملک نے ترقی کی اور اپنے معیارِ زندگی کو اونچا کیا۔ ان میں سے کس کے متعلق آپ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ اپنی ترقی کے دور میں اس کو "خاندانی منصوبہ بندی" کے الفاظ بھی معلوم تھے۔ یہ اگر ترقی کے اس نسخۂ کیمیا اثر سے واقف ہوئے ہیں تو اپنے اس دورِ زوال میں واقف ہوئے ہیں جب ان کے سامنے ترقی کا نہیں بلکہ عیاشی کا سوال ہے۔ یورپ کے ملکوں میں شاید فرانس اس نسخے کا سب سے بڑا آزمانے والا قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اس نے جس دور میں اس کو آزمایا ہے کیا وہ اس دور میں فی الحقیقت اپنی ترقی کے لئے اس کا محتاج تھا؟ یہ محض ایک عیاشی تھی جس کی سزا بھی پچھلی جنگ میں قدرت نے اس کو یہ دی کہ وہ اب زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرنے پر لوگوں کو انعامات اور تمغے بانٹ رہا ہے لیکن وہاں کوئی ان انعامات اور تمغوں کو لینے والا نہیں مل رہا ہے۔

یورپ اور امریکہ سے زیادہ تعجب انگیز معاملہ اشتراکی ممالک کا ہے۔ روس اور چین نے جو ترقی کی ہے اس کے معترف اب ان کے دشمن بھی ہوتے جا رہے ہیں لیکن ان میں سے کسی کو بھی اپنی تعمیر و ترقی کے لئے خاندانی منصوبہ بندی کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ خاندانی منصوبہ بندی تو در کنار وہاں جو عورتیں زیادہ بچے پیدا کریں ان کو امومت (MOTHER HOOD) کے تمغے اور وظیفے دیے جاتے ہیں۔ حالانکہ بچے پیدا کرنے کے لحاظ سے چین شائد سب سے آگے رہنے والا ملک ہو۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ اشتراکی حکومتیں اپنے باشندوں کی ضروریاتِ زندگی، ان کی تعلیم اور ان کے علاج کی ذمہ دار ہونے کی مدعی ہیں۔ اس پہلو سے اگر وہ خاندانی منصوبہ بندی کو اپنی تعمیر و ترقی کے لئے ناگزیر قرار دیتیں تو اس کے لئے ایک وجہ جواز بھی موجود تھی لیکن جب انہوں نے اس کو ضروری قرار دیئے بغیر اپنے مسائل حل کر لئے اور اب ان کا مقام یہ ہے کہ دنیا ان سے ڈرتی بھی ہے اور ان سے طمع بھی رکھتی ہے تو آخر ہماری ہی تعمیر و ترقی کا سارا انحصار خاندانی منصوبہ بندی پر آ کر کیوں رہ گیا ہے۔ یہاں تک کہ اب یہی مسئلہ خود اسلام کے حق یا باطل ہونے

کی کسوٹی بن گیا ہے۔ اگر اسلام اس کے حق میں فیصلہ دیتا ہے تب تو وہ اخلاقی ہے اور اگر اس کے خلاف فتویٰ دیتا ہے تو ان ڈاکٹر صاحب کے نزدیک ثابت ہو جائے گا کہ وہ غیر اخلاقی ہے۔

اسلام کے جانچنے کے لئے یہ کسوٹی مقرر کر چکنے کے بعد ڈاکٹر صاحب خاندانی منصوبہ بندی کے حق میں شرعی دلائل کی تلاش میں نکلتے ہیں اور سب سے پہلے قرآن حکیم کی روشنی میں فرماتے ہیں:۔

"جہاں تک قرآن حکیم کا تعلق ہے اس کی آیات میں کہیں بھی یہ پابندی نہیں لگائی گئی ہے کہ ہم اپنے موجودہ مسائل کے حل کے طور پر ایک محدود عرصے تک تحدید آبادی کی کوئی کوشش نہ کریں بلکہ قرآن مجید نے تحدید آبادی کے مسئلے سے کوئی تعرض ہی نہیں کیا۔"

ڈاکٹر صاحب نے یہاں اپنے ان پیشرو مجتہدین کے طریق اجتہاد کی پیروی کی ہے جنہوں نے عائلی کمیشن کی رپورٹ میں یہ اصول اجتہاد بیان فرمایا ہے کہ جس چیز کی صریح الفاظ میں قرآن میں ممانعت وارد نہ ہو وہ اسلام میں مباح ہے۔ چونکہ قرآن میں کہیں بھی یہ بات لکھی ہوئی نہیں ہے کہ تحدید آبادی کوئی ممنوع فعل ہے اس وجہ سے اس کی حرمت یا کراہت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ان حضرات کو کون سمجھا سکتا ہے کہ قرآن سے مسائل اخذ کرنے کا یہ طریقہ بالکل غلط ہے۔ از روئے قرآن کسی چیز کے ناجائز قرار پانے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ خاص طور پر اس کا نام لے کر اس کا ناجائز ہونا بیان ہو تب وہ ناجائز قرار پائے بلکہ حرمت و کراہت کے مختلف اسلوب ہو سکتے ہیں۔ فرض کیجئے ایک شے دین میں مطلوب ہے تو جو چیز اس مطلوب میں مزاحم ہو گی وہ دین کے خلاف ٹھہرے گی خواہ اس کا دین کے خلاف ہونا بیان ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ اسی طرح اگر ایک چیز کے محرکات دین کے عقائد اور اس کے اصول اخلاق پر اثر انداز ہوتے ہوں تو وہ چیز بھی اپنے اعتبار سے ناجائز یا مکروہ ٹھہرے گی خواہ خاص اس چیز کی کراہت یا حرمت بیان ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ علیٰ ہذا القیاس ایک شے اس پہلو سے بھی ناجائز قرار پا سکتی ہے کہ اس کے لئے جو طریقے اختیار کئے گئے ہیں وہ ناجائز ہیں یا اس سے جو نتائج نکلتے ہیں وہ افراد یا معاشرے کے لئے مہلک ہیں۔ اگر کسی چیز کے ناجائز ہونے کے لئے یہ ضروری قرار دیا جائے کہ تصریح اور تعیین کے ساتھ قرآن میں اس کا ذکر ہی ہو تو پھر تو بے شمار چیزوں کی حرمت کالعدم ہو جائے گی اگر ایک مرد تحدید آبادی کے نصب العین کی خاطر اپنے کو مخنث بنا لے یا ایک عورت اپنے کو بانجھ بنا لے

باقی بر صفحہ ۴۵

اقتباسات و تراجم

جناب محمود احمد صاحب

خُدا کی بندگی کے تقاضے

اللہ تعالیٰ کے ذمے بندے کے لئے تین چیزیں ہیں۔ ایک احکام جو وہ بندے کے لئے پسند کرے، دوسری تقدیر جو اس کے لئے روا رکھے۔ اور یہ تقدیر تکالیف اور عیوب دونوں سے تعلق رکھتی ہے۔ اور تیسری نعمت جس سے وہ اس کو نوازے۔ بندہ کبھی ان تین چیزوں سے الگ نہیں ہو سکتا۔

اس کے برعکس بندے پر خدا کے لئے واجب یہ ہے کہ وہ ان تمام حالتوں میں بندگی کا طریقہ اختیار کرے۔ چنانچہ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو ان سب حالتوں میں بندگی کی راہ کو متعین کرے اور اس کا حق ادا کرے۔ یہی شخص سب سے زیادہ خدا کے قرب میں ہوتا ہے۔ خدا سے بعید ترین آدمی وہ ہوتا ہے جو ان حالتوں میں عبودیت کی راہ نہ پا سکے اور علم و عمل دونوں کے اعتبار سے بندگی کے فریضہ میں کوتاہی کرے۔

احکام کے معاملے میں بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی بجا آوری کمال اخلاص کے ساتھ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے کی جائے۔ نواہی میں یہ مقام اس وقت حاصل ہوتا ہے جب خدا کا خوف، اس کی عظمت کا تصور اور دل میں اس کی محبت رکھتے ہوئے ممنوعات سے اپنا دامن بچایا جائے۔

مصائب و تکالیف میں عبودیت یہ ہوتی ہے کہ ان پر صبر کیا جائے اور تقدیر پر راضی رہا جائے۔ رضا کا یہ درجہ صبر کے درجہ سے بلند ہے اور اس سے بلند تر درجہ یہ ہے کہ مصائب و تکالیف پر خدا کا شکر ادا کیا جائے۔ یہ اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب دل میں خدا کی محبت جاگزیں ہو، اس کی پسند کی ہوئی چیز کو آدمی اپنے لئے اچھا سمجھے اور مصیبت میں بھی اس کے لطف و کرم اور احسان کا احساس رکھے، اگرچہ مصیبت اسے کیسی ہی ناگوار ہو۔

عیبوں اور کمزوریوں کی تقدیر کے بارے میں بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی فی الفور توبہ

کرے، گناہ سے دامن چھڑائے اور معذرت اور انکساری کے مقام پر ڈیرے ڈال دے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہو کہ نہ اس کو اللہ کے سوا کوئی برائی کے گڑھے سے نکال سکتا اور نہ اس کے شر سے بچا سکتا ہو اور یہ کہ اگر وہ برائی قرار پکڑ گئی تو اس کو اللہ کے قرب سے دور ہٹا دے گی اور وہ خدا کے در سے دھتکار دیا جائے گا۔ چنانچہ وہ اسے ایک ایسا مرض خیال کرے جس سے خدا کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا۔ وہ اس مرض کو جسمانی تکلیفوں سے بھی زیادہ دردناک سمجھے۔ پھر وہ اللہ کے غضب سے اسی کی پناہ چاہے، اس کی سزا سے اسی کے عفو کا سہارا چاہے، اس کی ذات سے اسی کی پناہ مانگے اور اپنی فریادیں اور التجائیں اسی کے آگے پیش کرے۔ اسے اس بات کا خوب احساس ہو کہ اگر وہ برائی اس سے جدا ہو کر اس کے اور خدا کے درمیان معلق ہو بھی جائے تو خدا کے پاس اس جیسی اور اس سے بدتر اور برائیاں بھی ہیں۔ وہ اس حقیقت کو سمجھتا ہو کہ برائیوں سے دامن چھڑانا اور اللہ کی طرف پلٹنا بغیر اس کی توفیق اور مدد کے ممکن نہیں اور یہ کہ بندے کے اختیار میں کچھ نہیں کیونکہ بندہ خدا کے اذن، اس کی مشیت اور اس کی اعانت کے بغیر اس کے منشاء کی موافقت اور اس کی رضا جوئی کی کوشش میں کمزور، ناتواں بلکہ ناکارہ ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ نہ رہ جائے کہ وہ عاجزی، مسکینی اور آہ وزاری کے ساتھ خدا کے سامنے التجا کرے، اپنے نفس کو اس کے سامنے بچھا دے۔ اس کے در پر پڑا رہے اور اس سے شرمسار ہو۔ گویا کہ اس کے نفس سے بڑھ کر خدا کے نے کوئی شے ذلیل و شکستہ، حاجت مند اور بے کس نہیں، اور اس سے زیادہ کسی کی طرف راغب اور کسی سے محبت کرنے والی نہیں۔ ساتھ ہی اس کا حال یہ ہو کہ اس کے اعضاء و جوارح اللہ ہی کے اشغال میں سرگرم ہوں اور اس کا دل خدا کے سامنے سجدہ ریز ہو وہ یہ یقین رکھتا ہو کہ بھلائی نہ اس کے اندر ہے نہ اس کے ساتھ وابستہ ہے، نہ اس کی خاطر ہے اور نہ اس کے نفس کی جانب سے ہے، بلکہ تمام خیر و برکت اللہ ہی کی ہے، اسی کے دستِ تصرف میں ہے، اسی سے وابستہ اور اسی کی جانب سے ہے۔

نعمتوں کے بارے میں بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ نعمت کا قدرشناس اور اس کا معترف ہو، پھر اس بات سے پناہ مانگے کہ اس کے دل میں اللہ کے سوا کسی اور کی طرف نعمت کو منسوب کرنے

کا وسوسہ پیدا ہو، کیونکہ اگر کوئی چیز سبب بنی تھی تو اس کا مسبب اور کارساز بھی خدا ہی تھا۔ کیونکہ ہر نعمت ہر پہلو اور ہر لحاظ سے اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس سے بھی اوپر عبودیت کا درجہ ہے کہ نعمت سے سرفرازی پر خدا کی حمد و تعریف کرے، اس کی طرف محبت کے جذبے کے ساتھ بڑھے اور نعمت کو خدا تعالیٰ کی اطاعت میں استعمال کر کے خدا کا شکر بجا لائے۔

بندگی کے نازک اور لطیف پہلوؤں میں سے یہ ہے کہ خدا کی چھوٹی سے چھوٹی نعمت بھی کو بڑی دکھائی دے اور اس کی خواہ کتنی ہی شکر گزاری کرے اسے کم خیال کرے اور یہ جان لے کہ یہ نعمت اس کے مالک کی طرف سے اس کو اس حالت میں دی گئی ہے کہ نہ اس نے کوئی پیسہ خرچ کیا نہ کسی وسیلے سے خدا تک اس کی رسائی کی، نہ ہی وہ کوئی ذاتی استحقاق رکھتا تھا بلکہ حقیقت میں اس کا مالک اللہ ہے نہ کہ وہ بندہ۔ لہٰذا ہر نعمت اس میں مجرد انکساری، تواضع اور احسان کرنے والے سے محبت میں اضافہ کا باعث ہے۔ جب کبھی نئی نعمت حاصل ہو اس کے اندر عبودیت و محبت کا نیا جذبہ پیدا ہو، جب کبھی اس سے کوئی نعمت واپس لے لی جائے اس کے اندر تسلیم و رضا کی نئی کیفیت پیدا ہو، جب اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے وہ توبہ اور انکساری کے ذریعے اپنی غلطی کا مداوا کرے۔ یہی خصوصیات رکھنے والا بندہ حقیقتاً عقلمند ہے اور جو ان صفات سے عاری ہے اس کی دنیا اس بندہ عاقل سے بالکل الگ ہے اور توفیق تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

(الفوائد)

بقیہ مضمون صفحہ ۴۲ (خاندانی منصوبہ بندی اور مذہب)

تو ان کے بھی ہاتھ نہیں پکڑے جا سکتے اس لئے کہ قرآن میں تعین کے ساتھ ان باتوں کی کہیں ممانعت تو وارد نہیں ہے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ یہ افعال شنیعہ کسی پہلو سے بھی اسلام میں جائز ہو سکتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

تقریظ و تنقید

○ سُنت قرآن کے آئینہ میں

تصنیف :- شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل سلفی۔

شائع کردہ :- انجمن اشاعۃ السنہ ۴۸ جناح کالونی لائلپور۔

۳۲ صفحات کا یہ کتابچہ انجمن اشاعۃ السنہ لائلپور نے شائع کیا ہے۔ یہ انجمن ایسے نوجوانوں پر مشتمل ہے جن کا مقصد وحید اپنی زندگیوں کو اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق سنوارنا' دوسروں کو راہ ہدایت کی دعوت دینا اور کتاب و سنت کی اشاعت و تبلیغ کرنا ہے۔

زیر نظر کتابچہ میں فاضل مؤلف نے ان لوگوں کو بے نقاب کیا ہے جو صرف عربی لغت کو قرآن کا شارح تسلیم کرتے ہیں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح و تفسیر کے بجائے وہ "مرکز ملت" کو اس کے معانی و مطالب متعین کرنے کا حق دیتے ہیں۔

اس کتابچے کے مختلف عنوان یہ ہیں :- وحی کے مختلف طریقے، قرآن مجید میں احادیث کا تذکرہ، منکرین سنت کا عجز، انکار حدیث کا پس منظر، قرآن و حدیث کا باہمی ربط۔

یہ کتابچہ اگرچہ موضوع کے اعتبار سے بہت کچھ تشنہ ہے تاہم اس کے مطالعہ سے فائدہ ہوگا۔

○ مغربی پاکستان اسمبلی کی ناپاک جسارت

شائع کردہ :- انجمن اشاعت السنہ جناح کالونی لائلپور

یہ کتابچہ اس آرڈی نینس کے خلاف لکھا گیا ہے جو پچھلے دنوں مغربی پاکستان اسمبلی کی اکثریتی پارٹی نے ہنگامی قانون (ترمیم) قانون فوجداری مغربی پاکستان مجریہ ۱۹۶۳ء کی توثیق کے لئے پیش کیا۔ اس قانون میں چند فوجداری جرائم کو قابل مصالحت قرار دیا گیا ہے اور ان جرائم میں زنا بھی شامل ہے۔

قرآن مجید کی صریح نصوص کی روشنی میں ارباب اختیار کو انتہائی سوز اور خیر خواہی سے اس غلط فیصلے کو منسوخ کر دینے کی جانب متوجہ کیا گیا ہے۔

مذکورہ دونوں کتابچے ۲۷ پیسے کے ٹکٹ بھیج کر ناظم انجمن مذکور سے طلب کئے جا سکتے ہیں۔

○ پیارے رسُول کی پیاری دعائیں

مرتبہ :- محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی

صفحات :- ۸۸ قیمت :- ۷۵ پیسے

شائع کردہ :- المکتبۃ السلفیہ شیش محل روڈ لاہور

دُعا بندے اور خدا کے تعلق کو استوار کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ بندہ محتاج ہے اور اس کا کام یہ ہے کہ وہ ہر وقت اپنی تمام ضروریات اپنے مالک حقیقی کے سامنے پیش کرتا ہے۔ شریعت میں دُعا کی اہمیت کو مختلف انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ احادیث میں دُعا کو عبادت کا مغز قرار دیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں نہایت ہی مثالی دعائیں ہیں، زیر نظر کتاب انہی مسنون دعاؤں کا ایک اچھا مجموعہ ہے۔

اس کتاب کو فاضل مصنف نے حوالوں کے ساتھ اس طرح ترتیب دیا ہے کہ ایک مسلمان صبح بیدار ہونے سے لے کر رات کو سونے تک کے تمام مراحل میں انہیں پڑھ سکے۔

شروع میں عنوانات کی فہرست دے دی گئی ہے جس سے مختلف اوقات کی دعائیں آسانی سے تلاش کی جا سکتی ہیں۔

یہ مجموعہ مستند ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد مفید ہے اور اس قابل ہے کہ مسلمان اسے حرز جان بنائیں۔

(م - د)

چند اہم مطبوعات از مولانا امین احسن اصلاحی

	پیسے	روپے
تدبر قرآن (قرآن فہمی کی رہنما)	۲۵	۳
تدبر قرآن (تفسیر آیہ بسم اللہ و سورۂ فاتحہ)	۷۵	۰
اسلامی قانون کی تدوین ۳/۰	۰	۲
عائلی کمیشن رپورٹ پر تبصرہ	۲۵	۲

مطبوعات دیگر مصنفین

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)	۵۰	۲۲
(آنحضرتؐ) سیرت ابن ہشام	۰	۱۰
ابوبکرؓ صدیق اکبر	۰	۱۰
عمرؓ فاروق اعظم	۰	۲۰
امام اعظمؒ	۰	۴
حیات امام احمد بن حنبلؒ	۰	۱۰
آثار امام شافعیؒ	۰	۱۲
حیات امام مالکؒ	۰	۱۰
حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ	۰	۲۱
زادِ سفر (حصۂ اوّل)	۷۵	۳
ISLAM AND THE WORLD. Rs. 4.00	۰	۴

ملنے کا پتہ: مکتبۂ میثاق (رحمانپورہ) اچھرہ - لاہور ۱۲-

محی الدین پرنٹر و پبلشر نے نقوش پریس لاہور میں چھپوا کر دفتر میثاق رحمانپورہ اچھرہ لاہور ۱۲ سے شائع کیا۔